هو الکل

یامعین

مصورِ فطرت حضرت سیدی و مولائی

خواجہ حسن نظامی دہلوی مدظلہ

کی لکھی ہوئی مشہور کتاب

کرشن بیتی

جسکا نام بدلکر اب

کرشن جیون

رکھا گیا ہے اور جسمیں مہاراجہ کرشن پرشاد اور مولانا عبدالماجد بی اے

اور لالہ کنور سین صاحب ایم اے کے دیباچے بھی شامل ہیں

ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی نے صفر ۱۳۴۲ھ ستمبر ۱۹۲۳ء میں تیسری بار

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شایع کی

تیسرا ایڈیشن

قیمت [illegible] - مجلد [illegible]

۷۸۶

کرشن بیتی کا دیباچہ

از ہز اکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر چشتی

خماری سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن

ہند کے بہت بڑے فلسفی اور سچے رہنما سری کرشن بھگوان کی سوانح عمری کا وہ پہلا حصہ جو ان کے ابتدائی واقعات زندگی کے متعلق ہے ایک کتاب کی صورت میں میرے سامنے ہے۔ یہ کتاب میرے معظم و محترم اور واجب التعظیم روحانی چمن کے ہمصفیر سیدی و مولای حضرت **خواجہ حسن نظامی** چشتی مدظلہ کی بیس برس کی محققانہ تحقیق کا معرکۃ الآرا نتیجہ ہے۔

قبل اس کے کہ اس کتاب پر اپنے خیالات ظاہر کروں۔ ہندو مذہب کی قدامت پر کسی قدر نظر ڈالنا چاہتا ہوں جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت خواجہ نے اس قدیم مذہب کی اور اس مذہب کے ایک سچے ہادی کی کس بے تعصبی اور دلسوزی سے خدمت انجام دی ہے اور ہندو مسلمانوں کو اس پاکیزہ خیالی اور بے تعصبی کی کس درجہ قدر کرنا لازم و واجب ہے۔

میرے پیارے **خواجہ** نے بیس برس تک جو جھولی بغل میں ڈالکر ڈنڈا کمبل لیے ہوئے۔ حق پرستی۔ حق گوئی۔ حق بینی میں سیاحی کی اُس کی قدر۔ ہندو اور مسلمانوں کو

محققین کو کرنا چاہیئے۔ وہ کیا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ سنہری روپہلی مورتوں کے سکوں یا جواہر پارے یا مقطع جاگیر کے اسناد سے ان کی جھولی بھر دی جائے کیونکہ ان کی جھولی میں دینے والے حقیقی داتا نے دین اور دنیا کی نعمتیں بھر دی ہیں۔ بلکہ میری یہ عرض ہے کہ قدر کیجئے اور ان کے ممنون منت رہیئے۔

اور اصل قدر تو خود حضرت خواجہ کا ضمیر کرے گا جس نے ایسی راستی و صداقت شعاری سے یہ کتاب قلم بند کرائی۔

جہاں اور اعمال خیر کا لشکر خواجہ کے ساتھ ہے یہ عمل بھی اس لشکر میں ست ست کا سنکھ بجاتا رہیگا۔ اور معتقدین کی روحیں جے جے پکار ینگی۔

ہندو مذہب

قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی ثابت ہے کہ ہندؤں کا مذہب سب سے قدیم ہے جس زمانہ میں مصر اور یونان اور روم کے مذاہب کی بنا بھی نہ پڑی تھی اور اہل دنیا کے کان اُن سے آشنا بھی نہ تھے۔ اِس مذہب کی عمارت کب کی تیار ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہندو مذہب قدیم زمانہ کے مذاہبوں سے نہایت شاندار اور عجیب و غریب ظاہر ہوا یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہے نہ اس کی عمارت کی طرز تعمیر ایک وضع پر ہے۔ اس مذہب کو ایک مشرقی طرز کے نہایت خوشنما عظیم الشان اور وسیع محل سے تشبیہ دیجا سکتی ہے جو دور سے صرف ایک حیرت انگیز عمارت نظر آتی ہے اور قریب جا کر غور دیکھنے سے منزل پر منزل چنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

ہندو مذہب ایک مذہب نہیں بلکہ مذاہب کا مجموعہ ہے جنکو مجتمع کرکے ان کی مختلف خاصیتوں سے ترتیب دیا ہے اسوجہ سے اس کو معجون مرکب کہنا بیجا نہ ہوگا یہ مذہب دیگر مذاہب کی طرح ایک ہی شخص نے ایک ہی وقت میں وضع نہیں کیا بلکہ ... سے مختلف رہنماؤں۔ رشیوں اور سنتوں نے جو مختلف زمانوں میں

پیدا ہوئے۔ ہزارہا سال کے عرصہ میں بنایا ہے۔ یہ مذہب کسی ایسے نقشہ نویس کا
بنایا ہوا نقشہ نہیں ہے۔ جو کسی ملک کے ایک ایک راستہ کو پیمائش کرتا ہے
اور جنگلوں کی پگڈنڈیوں سے لیکر شہروں کی سڑکوں تک کو نقشہ کھینچکر
دکھاتا ہے بلکہ ایسے نقشہ نویس کا نقشہ ہے جس نے کسی اونچے پہاڑ پر بیٹھکر
.. .. کا عکس لیا ہے اور شہروں کو نقطوں کے ذریعہ
سے نقشہ پر دکھایا ہے ؎

مذہب ہنود بہت بڑا ذخیرہ مذہبی خیالات کا ہے اس میں نہ باطل عقائد کا
نشان ہے نہ کفر و بت پرستی کا بلکہ یہ ایسا مذہب ہے کہ اگر اس کے نکات اور عظمت
دریافت کرنے کے لیئے مقدس رشیوں اور باخدا دیوتاؤں کے طریق علم و عمل
کو دیکھا جائے تو خدا پرستی کی پوری شان اور توحید کی حقیقی تصویر نظر
آئے گی۔ ہندو مذہب کا اصل اصول بالکل اس کے مصداق ہے من عرف
نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے
خدا کو پہچان لیا)۔

مقدس ویدوں میں نہ ایسے قوانین ہیں جن سے مغفرت ہونی دشوار ہو۔ نہ سبب
اور مسبب کی غیر محدود قیدیں ہیں بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان جملہ قوانین سے قطع
نظر مادہ اور طاقت کے ہر جزو اور ذرہ میں ایک ایسی قوت ہے جس کے حکم سے
ہوا چلتی ہے۔ آگ جلتی ہے۔ مینہ برستا ہے اور موت آتی ہے۔ اس کے صفات
یہ ہیں "وہ ہر جگہ موجود ہے۔ پاک ہے۔ اس کی شکل نہیں ہے اور وہ قادر مطلق
اور رحیم ہے۔ علمائے وید اس کی حمد و ثنا اس طرح کرتے ہیں "تو ہمارا
ماں باپ ہے۔ تو ہمارا عزیز دوست ہے تو تمام طاقتوں کا منبع ہے ہم کو
طاقت عطا کر۔ تو تمام عالم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ ہم کو زندگانی کا بار اٹھانے

کے لیئے تدد دے ۔

وید۔بہت بڑا ذخیرہ مذہبی خیالات کا ہے۔یہ کتابیں مختلف اوقات میں لکھی گئی ہیں۔ان میں سب سے پہلا درجہ رگ وید کا ہے۔رگ وید کے مطالعہ سے ہمیں قدیم آریہ اقوام کی زبان۔مذہب۔معاشرت دماغی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔جن علما نے وید کا ترجمہ کیا ہے وہ ان کی تعریف میں اپنا زور قلم دکھاتے ہیں اسلئے کہ انہوں نے بڑی مشقت سے ہوا میں اُڑتے ہوئے خیالات کو الفاظ کے پنجرہ میں بند کیا ہے ۔

رگ وید کی سوکتوں کی عبارت میں ہر جگہ تکلف اور انشا اور مذہبی پختہ کاری کے آثار پائے جاتے ہیں۔جسوقت علوم تاریخی پر تدریجی ترقی کے اصول سے نظر ڈالی جائے گی تو ثابت ہو جائے گا کہ اس قسم کی تصانیف ایک زمانہ دراز کی تعلیمی ترقی کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔وید میں کسی ابتدائی اور نیم وحشی مذہبی قوم کا تمدن نہیں ملتا بلکہ اُس میں ایک ایسی قوم کا تمدن ہے جو ترقی انسان کے بہت سے مدارج طے کر چکی تھی ۔

جدید سے جدید تحقیقات اہل یورپ کی رو سے یہ امر ثابت ہے کہ سب سے پرانا وید جس کو رگ وید کہتے ہیں اقلاً تین ہزار سے چار ہزار سال قبل مسیح میں مدوّن ہوا۔مدوّن ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ تحریر میں آیا اور کتاب کے صفحوں میں حروف کی شکل بنکر اپنی کالی کالی صورتوں کا مرقع بنا اس لیئے کہ ہندوستان میں تحریر کے جاری ہونے کا زمانہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اس کی نسبت محققین کا اتفاق نہیں ہے بلکہ تدوین سے مُراد یہ ہے کہ وید کے الفاظ نے بجنسہٖ معتقدین اور محققین کی سماعت کے راستے سے دلوں میں اپنا نور ڈالکر تاریک گھرونکو روشن کر دیا۔وہ اور جس حالت میں آج ہم تک پہونچے ہیں اس حالتمیں

وہ تین ہزار سال قبل مسیح دلوں کی کتابوں میں موجود تھے۔ اور اُس وقت سے اِسوقت تک اُن میں کسی قسم کا بیّن تغیر نہیں ہوا۔ اِس آسمانی کتاب کے چار حصّے ہیں۔ ان میں سب سے اول رگ وید ہے اور اس میں صرف دعاؤں کا ذخیرہ ہے اور مختلف دیوتا کو مسخر کرنے والے منتر ہیں۔ یہ دعائیں نظم میں ہیں اور ان کی بحریں مخصوص ہیں۔ علاوہ اس کے ان دعاؤں کے پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے جسکو ہندؤں کا علم تجوید کہا جا سکتا ہے اور زہد و تقویٰ اس کے لیئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ علم اِس قدر مشکل ہے کہ بغیر اُستاد کے اِس کا حاصل کرنا محال ہے۔ اِسی واسطے اس زمانے میں قریب قریب ناپید ہوتا چلا ہے ؛

رگ وید میں ایک ہزار اٹھائیس دعائیں ہیں اور ان کو رگ وید کے جمع کرنے والوں نے دس کتابوں پر تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک دعا کے شروع میں اُس رشی کا نام ہے جس سے وہ منسوب ہے اور اس دیوتا کا جس کی شان میں ہے اور اس خاص بحر کا نام جس میں وہ لکھی گئی ہے پایا جاتا ہے۔

اگرچہ رگ وید کا بہت بڑا حصہ عبادت اور خدا کی ستایش سے بھرا ہوا ہے لیکن بعض بھجن ایسے ہیں جن سے تاریخی واقعات اور قدیم تمدن کی بھی حالت کا استنباط ہو سکتا ہے۔ ہم ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانہ کو سات دور میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر دور کی انشا پردازی اور اس کے رہنما۔ رشی۔ سنت شاستر جدا جدا ہیں۔ اس سے ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانوں کی مختلف حالتیں دریافت کرنی بہت آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ امر اس وقت دشوار رہتا جب ہر دور کی انشا پردازی میں اختلاف نہ ہوتا۔ ہر دور کے علم الٰہی میں بیشمار تصانیف موجود نہ ہوتیں ؛

پہلا دور

اس زمانہ کی تاریخ رگ وید سے معلوم ہوتی ہے عیسی علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر ایک قوم ہند میں آئی جنکی جلد سفید اور بال سیاہ تھے یہ قوم ایک ہی زبان بولتی تھی جسکا نام آریک تھا۔ یہ اصلی زبان تو مفقود ہوگئی ہے لیکن سنسکرت اسی سے مشتق ہے۔ یہ قوم کابل کے دروں سے ہوکر ہندوستان میں آئی اور اطراف واکناف میں پھیلی۔ یہ خانہ بدوش تھی۔ اسے فن زراعت کا علم تھا اور اکثر اقوام کی ابتدائی حالت کی طرح ان کا متخیلہ نہایت ہی زوردار تھا۔

مجھے اس مقام پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ ممکنات عالم میں فلسفہ کے محققین نے دنیا کے تمام کاروبار اور رنج و راحت کی بنا خیال پر رکھی ہے۔ یہ قول اُن کا آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "تمام کاموں کی بنا محض خیال پر ہے"۔ خیال ہی نے عام طبائع پر حکومت کی ہے۔ اسی خیال کی حکومت کے اثر سے دنیا کے زبردست فلسفیوں اور اعلیٰ رہنماؤں نے سرگرم اور جاں فشاں کوششوں میں اکثر اپنی انمول جانیں صرف اس لیئے قربان کیں کہ انسانوں میں تقدس کے خیالات پھیلا کر انہیں پاک اور سخت فرائض کا ادا کرنا سکھائیں جس طرح ہماری کتاب زیر ریویو کے ہیرو سری کرشن بھگوان نے اپنی معصوم اور بیلوث زندگی کے طریق عمل سے دنیا پر ثابت کر دیا۔

بہر حال آریہ قومیں دریائے سندھ سے گنگا تک آئیں اور اس کے بعد برہمپتر تک پھیل گئیں راہ میں انھوں نے سیاہ فام اور سیدھے بال والی اقوام اور نیز تورانیوں کو جوان سے پہلے یہاں مقیم تھے زیر کیا۔ اور بتدریج ہند کی سرزمین پر بس گئیں۔ جب وہ ہندوستان میں وارد ہوئیں تو انہیں مذہب اور خدا کی طرف بہت کم توجہ تھی مگر یقیناً ایک مدت کے بعد یہاں کے دلکش منظر۔ نیلگوں آسمان۔ روشن

چاند۔ تازگی بخش دریا۔ صاف و شفاف نہروں۔ سرسبز مرغزاروں۔ رنگ برنگ کے پھولوں اور عظمت و شان الٰہی نے ان کے دلوں میں اعلیٰ خیالات پیدا کرکے انہیں صانع مطلق کی ناستناہی اور کامل قدرتوں کی طرف رجوع کر دیا۔ اور بمصداق کُلّ شی یرجع الیٰ اصلہٖ۔ پرکار کی طرح گردش کرتے ہوئے اپنے مرکز اصلی پر پہنچے وہ اپنی خوش نصیبی اور دنیا کے کل عیش و آرام میں کامیاب تھے ان میں ایسے بھی پیدا ہوئے جنہیں بہشتی نور بخشا گیا وہ قدرت کاملہ کی حُسن و خوبی کی تعریفیں کرتے اور قادر مطلق کی جو قدرت کاملہ کا فرمانروا اور رہادی ہے۔ حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے۔ انسانی خلقت میں بھی پہلے لوگ تھے جنہوں نے مالک کل کا تصور کیا۔ انہوں نے علم روحانی و اخلاقی میں برابر ترقی کی۔ ہندوؤں کی اس ترقی میں پانسو برس سے زیادہ گزری اور اوّل اوّل مذہب کا تخم رگ وید کے ایکہزار اٹھائیس گیتوں نے بویا جن کو مختلف شخصوں نے مختلف مقامات میں تصنیف کرکے گایا ان تمام گیتوں میں کم و بیش خالق اکبر کے عشق اور عظمت کی بوئے خوش آتی ہے جو تمام دنیا کا حکمران ہے۔ یہ گیت اگرچہ مذہبی ہیں مگر ان سے ابتدائی زندگی کی حالت مترشح ہوتی ہے اور دنیا کے ابتدائی فلسفہ کی جھلک کہیں کہیں نظر آتی ہے ؂

دوسرا دور

اب یہ قوم اور آگے بڑھتی ہوئی ستلج پہونچی اور وہاں سے گنگا جمنا تک بڑھی مگر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گانے اور عشق الٰہی کو نظم دلکش میں ظاہر کرنے سے انکی تسکین نہوئی اس خیال نے رفتہ رفتہ انکی آرزوؤں کا حوصلہ بڑھایا اور اُن کے دلمیں اس رفیع الشان وسیع خوبصورت عالم کے مالک سے قربت حاصل کرنے کی تمنا پیدا کی۔ اکثر غور و فکر کرنیوالوں نے خدا کی نزدیکی اور عیش ابدی حاصل کرنیکے وسائل دریافت کرنے میں بڑی بڑی دماغ سوزیاں کیں اسوقت منزل مقصود پر پہونچنے کے لیئے دو فریقوں نے دو مختلف طریقوں سے

کوششیں کیں۔ ایک فریق نے بیشمار رسوم مذہبی اختراع کر کے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور دکھایا کہ ان کی پابندی سے صفائی قلب ہو کر نیکی پیدا ہوگی اور اس کے صلہ میں بہشت میسر آئیگی۔ دوسرے فریق نے رسوم مذہبی کی پروا نہ کی اور ایک دوسری قسم کی کتابیں لکھیں جنکو مذہبی دنیا میں علم فلسفہ کی ابتدا کہنی چاہیئے۔ ان دونوں کی کوششیں مذہب کی نشو و نما اور ترقی میں دوسرا درجہ ہے ان فریقوں سے دو قسم کی انشا پردازی چھوڑی ہے جنمیں ایک کو برھمنہ اور دوسری کو اپنشد کہتے ہیں

تیسرا دور اس میں آریوں نے اپنی فتوحات کو اور وسیع کیا۔ یہ زمانہ جنگی اور علمی کارناموں سے ممتاز ہے۔ یہ دور اہل ہند کی مذہبی ترقی ہی کے لیئے مشہور نہیں ہے بلکہ اسمیں تمدن۔ دنیاوی جاہ و ترقی اعلیٰ درجہ پر پہنچا انکی سلطنت کا سلسلہ ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کے کنارے تک وسیع ہو گیا۔ ان میں بڑی بڑی طاقتور حکمراں ہوئے اور ان سلطنتوں میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیاں ہوئیں۔ فلسفہ کا خاصکر زور رہا ہے

اسی مبارک زمانہ میں سچے رہنما بہت بڑے فلسفی حق پرست۔ حق بیں۔ حق گو حق جو مہاراج سری کرشن نے چندربنسی آسمان کے آفتابی مطلع سے طلوع ہو کر اپنے نور ظہور سے عالم کو روشن کر دیا۔ اور ان کے قالب میں جو روشن دان تھے ان میں سے فوارہ کیطرح نور بکھیر دیا انہی کی سوانح عمری میرے سامنے ہے اور جسے صحیح اور سچے واقعات زندگی واجب التعظیم حضرت خواجہ حسن نظامی نے لکھے ہیں ؂

کرکشیتر کے میدان میں جنگ عظیم ہوئی اور ایسی ہوئی کہ خاک خون سے رنگی گئی اسی زمانہ میں پینک نے ترک تصنیف کی پنینی نے صرف و نحو کے رسالے لکھے پاتنجل نے جوگ کی کتابیں تصنیف کیں کپل نے سانکھیہ والوں کا فلسفہ لکھا۔ اسی زمانہ میں برگزیدہ بیاس جی نے ویدوں کی تالیف کی۔ اور والمیکی

راماین لکھی گئی - اگرچہ زمانے کی گردشوں نے بمصداق ؎

مقسوم اہل علم خدا است زیرِ چرخ　　رسم است در شکنجہ کشیدن کتاب را

اُن کے نشانوں کو رگڑتے رگڑتے مٹا دیا لیکن پھر بھی اس دور کی علمی روشنی سورج کی طرح ابتک چمکتی نظر آتی ہے ؞

جس وقت تمام دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی ہندوؤں کی قوم میں اعلیٰ تہذیب و شایستگی اور ترقی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانہ کو ایک ہزار سال قبل مسیح سے تین سو برس قبل مسیح تک سمجھنا چاہیئے ؞

چوتھا دور بودھ مذہب کے دوران کا ہے۔ علوم و فنون کی رونق ہوئی۔ شاعری۔ طب۔ صرف و نحو۔ قانون۔ نجوم فلسفہ وغیرہ کی تالیف و تصنیف کا بازار گرم ہوا اور ہندو تمدن جنوبی ہند و سیلون تک پہنچا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ بودھ مذہب ہندو مذہب سے بالکل ایک جدا مذہب ہے کیا اس سے زیادہ بھی کوئی رائے غلط ہوسکتی ہے - اگر غور و انصاف سے دیکھا جائے تو گوتم بدھ نے اسی مذہب کے وعظ کہے تھے جو سری کرشن نے تعلیم کیا تھا اور اسی تعلیم نے زمانہ کے حالات کے مطابق ایک نیا چولا بدلا تھا ؞

پانچواں دور ایک روشن زمانہ میں شروع اور تاریکی میں ختم ہوا - جدید برہمنی مذہب آیا اور بدھ مذہب کو مغلوب کر لیا یہ پولیٹکل اور علمی کارناموں کا زمانہ تھا جو سات سو برس تک قایم رہا جس کے اول دو سو برس روشنی کا زمانہ تھا اور آخری پانسو برس میں سخت تاریکی رہی اس زمانہ میں پُران لکھے گئے کہ ہندو مذہب کا اثر بنی آدم کے دلوں پر پڑے مگر کوئی تسلی بخش نتیجہ نہ نکلا کیونکہ ہندوؤں کی تہذیب روحانی عظمت و شان سے گر گئی اور اسکی روشنی کے مطلع پر تاریکی کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں ؞

چھٹا دور اسلامی سلطنت کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بھی علمائے دین کا ظہور ہوا شیعی اور سنت پیدا ہوئے اور ہندو مذہب کی روشنی پھیلانے کیلیئے۔ جو جہل کی تاریکی سے ماند ہوئی جاتی تھی بہت کچھ کوشش کیگئی گو اس مذہب کا خاتمہ ہو چکا تہا۔ اور ہندؤں کی فضیلت۔ فوقیت عظمت بہت گھٹ گئی تھی تاہم زمانہ کی دست برد اور تغیر و انقلاب سے اسکا سر نہ جھکا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو مذہب بظاہر دنیا سے مفقود ہو گیا۔ عام لوگونکی سوسائیٹوں سے جو آئے دن کی خانہ جنگیوں اور جہل و تعصب میں مبتلا تھیں اسکا اثر کم ہوتا گیا۔ مگر ایسے شخصوں کے دلوں میں اسکا نور باقی رہا جو سوسائٹی کے جھگڑے بکھیڑوں سے علیحدہ تھے جہاں نہایت خاموشی کے عالم میں اسکی روشنی۔ ترقی اور وسعت حاصل کرتی رہی۔ اسوقت کے ہندو مذہب کی نسبت اگر کوئی رائے پوچھی جائے تو وہ یہی ہے کہ مذہب حالت خواب میں تہا مگر وہ اس حالت میں عرصہ تک نہیں رہا۔ سوتے ہوئے شیر کی طرح یکایک جاگ اُٹھا اور ایک ہزار سال کے بعد اس نے نمی چیتن[لہ] کے جھنڈے کے نیچے اپنی قدیم آب و تاب اور اصلی چمک دمک کے ساتھ جلوہ دکھایا ٭

ساتواں دور یہ زمانہ حال کا ہے چھٹے دور میں دنیا کے بڑے طاقتور مذہب اسلام سے اور اس کے آخری دور میں نامی گرامی مذہب مسیحی سے اُسکی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ مگر کوئی اسپر غالب نہ آسکا۔ بلکہ ان مذہبوں کے مدمقابل ہونے سے اسے اپنی نشو نما۔ تازگی۔ اور طاقت و عظمت حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی۔

اِس تاریخی بنیاد بیان کر دینے کے بعد جسکی بہت ضرورت تہی۔ اور جسکے بیان کیئے بغیر سری کرشن کی حقیقت ناواقفوں کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آسکتی ٭

اب میں نفس کتاب پر نظر ڈالتا ہوں ٭

حضرت خواجہ صاحب نے کتاب کے مقدمہ میں محققانہ طریقے سی ہندؤں کو اس جرم سے

[لہ] ہندو مذہب کے ایک بہت بڑے عالم فلاسفر کا نام ٭

بری کرنے کی پوری کوشش کی ہے جو نہایت واجبی ہے کہ اُنہوں نے جوشِ محبت میں سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پُتلا بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے محقق مصنف نے گمراہی کو جوشِ محبت کا اصل اصول قرار دیا ہے اور رہنماؤں کے اُن چند افراد کو اس امر میں متہم قرار دیا ہے جنہوں نے اپنی شاعرانہ بلند پروازی میں اپنے نفسانی جذبات کو ایسے مقدس رہنما کی جانب منسوب کر رکھا ہے۔

یا سری کرشن کے ہادیانہ اوصاف کو اپنی نفسانی نگاہوں سے دیکھا ہے؟

حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ کیا یہ الزام سب ہندؤں پر عائد ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر زمانہ میں ایسے ذی علم و دانشمند ہندؤں کی ایک کثیر جماعت موجود رہی ہے جو سری کرشن کی اصلی شان سے واقف تھی اور اُن تمام خرافات کو خرافات ہی سمجھتی تھی جو سری کرشن کی ذات سے منسوب تھیں اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ غیر اقوام ساری ہندو قوم کو اسکا الزام نہ دیں کہ اُسنے اپنی طاہر رہبر کو بعوض خوشبو دار عطروں کے پیاز۔ لہسن۔ اور ہینگ سے آلودہ کرکے دنیا کے آگے رکھا، محقق مصنف نے دلائل و براہین سے اسکی بھی کوشش کی ہے کہ ایسے مقدس و پاک نفس ہادی کو اسکی اصلی حالت میں دکھائے اور ایک برگزیدہ نفس کی نسبت جو بدگمانیاں ہیں انکو دور کرے اُنکا عقیدہ ہے اور سچا قابل قدر عقیدہ ہے کہ سری کرشن کو جاہل ہندوؤں اور بے اعتبار ہندو کتابوں کے عقائد کی بنا پر عیاش اور خواہش نفسانی کا تابع سمجھنا حقیقت کے خلاف اور ناقابل بخشش گناہ ہے کیونکہ جو پاک دامن اور معصوم صفت رہبر ہوگا وہی اپنی ہدایت کی روشنی سے دلوں کی تاریکی کو روشن کرسکے گا ورنہ ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند؟ کی مصداق ہوگا؟

خواجہ صاحب مسلمان ہیں۔ موحد ہیں۔ صوفی ہیں۔ انہوں نے باوجود مسلمان ہونیکے ہندو مذہب کے ایک ہادی کی بزرگی و عظمت کو جسوقت کیساتھ ملحوظ رکھکر اپنی

بے تعصبی کا ثبوت دیا ہے۔ اگرچہ تعصب پرستوں کے دلوں میں خار سا کھٹکتا ہوگا۔ مگر خدا لگتی بات اور راستی اور ایمان کی تو یہی ہو کہ یہی انصاف ہو اور یہی انصاف دینا ہی اور یہی دین و ایمان ہے جو سرمایہ ناز ہے اور اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے یہ کتاب گو مسلمانوں کے لیئے لکھی گئی ہو لیکن اس سے ہر مذہب و عقیدہ کا آدمی فائدہ حاصل کر سکتا ہے میرا خیال ہے اردو زبان میں اس طرز اور اس شان کی محققانہ و بے تعصبانہ سری کرشن کے حالات میں اور کوئی کتاب نہ ہوگی۔ سری کرشن مہاراج کے ہر حصہ زندگی کو اس عمدگی سے لکھا گیا ہے کہ واقعات کے سمجھنے میں معمولی علم اور سمجھ کے لوگوں کو بھی دشواری نہ ہوگی۔ اور پھر کمال یہ کیا ہے کہ انشا پردازی کی بہار ہر جگہ عجب مستانہ انداز سے دکھائی ہے۔ اور ہر قصہ کو عالم تصویر بنا دیا ہے ؀

نصاب تعلیم میں شریک ہونیکے قابل

میں نے کرشن بیتی کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ یہ کتاب مدارس کے نصاب تعلیم میں شریک کرنی چاہیئے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی اقوام ہندو مسلمان میں اصلی اور سچا اتحاد پیدا ہو انکو اس قسم کی کتابیں اپنے بچوں کو پڑھانی چاہیئں جن سے ہر قوم دوسری قوم کے رہنمایان مذہب کی عزت کرنے پر مائل ہوگی ؀

دیسی ریاستوں میں رواج

میرا دوسرا خیال یہ ہو کہ ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں ایسی کتاب کا عام طور سے رائج کرنا ہندو مسلمانوں کے اس اتحاد کو اور زیادہ قوی کر سکتا ہے جو ریاستوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور جس کو بعض مفسدہ پرداز طبائع برہم و برباد کرنے کی سعی کر رہی ہیں ؀

مجھے امید ہے کہ ہندو بھائی اس کتاب کی قدر دانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت

نہ کرینگے اور وہ یہی ہے کہ جگہ جگہ اور گھر گھر یہ ایسی مفید و مؤثر کتاب کو شایع کیا جائے۔ میں یہ بھی اُمید رکھتا ہوں کہ مسلمان بھائی بھی مصنّف کرشن بیتی کے میلان حق نگاری کو اسی نظر سے دیکھیں گے جو اسلام نے ان کو تعلیم کی ہے یعنے غیر مذاہب کے پیشواؤں کی عزت فقط

(شاؔد) یعنے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاؔد

دوسرا دیباچہ

از مولنا عبدالماجد صاحب بی اے مصنف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع وغیرہ

مختلف علوم و فنون نے ہر قوم میں یکساں مدارج ترقی نہیں طے کیئے ہر قوم کا ایک مخصوص مذاق رہا ہے جسمیں اس نے غیر معمولی کمال حاصل کیا۔ اور جس کے لحاظ سے اسے دوسری قوموں پر نمایاں تفوق و امتیاز حاصل ہوا ہے۔ فلسفہ کی اشاعت ہر ملک میں ہوئی۔ لیکن یونان کی سی شہرت کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ قانون ہر قوم نے وضع کیا۔ لیکن روما کی آب و ہوا سے خاص طور پر راس آئی ؂

ہندوستان کا مخصوص دایرۂ تصوف و روحانیات رہا ہے۔ یہاں اس فن کو جس حد کمال تک پہنچا پایا گیا۔ اسکی نظیر شاید دنیا کے کسی حصہ میں ملے گوتم بدھ کی تعلیمات تمامتر تصوف نہیں ہندو مذہب میں طریقت کا عنصر شریعت پر غالب ہے۔ یہاں کے پیشوایان طریقت کا شمار غالباً کل دنیا کے رہبران شریعت سے کم نہیں ؂

اردو کا یہ افلاس کس درجہ تاسف انگیز تھا۔ کہ اس میں اس موضوع پر برائے نام سے زیادہ سرمایہ موجود نہیں۔ خواجہ صاحب مستحق تہنیت ہیں کہ انہوں نے اس میدان میں پیشقدمی کی۔ اور سری کرشن کے حالات زندگی پر ایک دلچسپ تالیف

تیار کر دی جو اگرچہ مختصر ہے۔ تاہم اردو کی موجودہ سطح کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ما ہے۔

سری کرشن ارباب طریقت کے ایک مسلّم و محترم پیشوا ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب بھی اس طایفہ عالیہ کے نام لیوا ہیں۔ ایک بڑی بارگاہ کے خاص متوسّل ہیں اور ایک جماعت کثیر کے مُرشد و رہنما ہیں۔ ان سے زیادہ اس کام کی اہلیت کس میں ہونا چاہیئے۔

یہ حُسنِ اتفاق بھی روحانی رنگ میں کوئی معنی ضرور رکھتا ہوگا۔ کہ اس شخص کی تصویر زندگی بھی۔ جو رعنائی و زیبائی۔ لطافت و رنگینی کا پُتلا ہوا ہے۔ ایسے مصوّر کے قلم سے کھنچی۔ جو اردو لکھنے والوں کی صف میں اپنی رعنائی بیان۔ اور البیلے پن کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔

حقیقت شناسی کی راہ میں حاملین شریعت ہمیشہ سب سے زیادہ حایل رہے ہیں۔ انکے نزدیک دوسروں سے بیگانگی بلکہ نفرت۔ عین ایمان ہے۔ اور تعصب وسیلہ نجات۔ خواجہ صاحب کی یہ اخلاقی جراَت قابل صد ستایش ہے کہ انھوں نے ایک ہندو بزرگ کی سیرت کو اپنا موضوع تصنیف قرار دے کر عملاً یہ دکھا دیا۔ کہ ایک سچے صوفی یا طالب حق کی نظر کفر و اسلام کے ظاہری و سطحی امتیازات سے بہت ارفع و برتر ہوتی ہے۔

لیکن سری کرشن کے حالات زندگی سے بدرجہا زاید ضروری یہ ہے کہ انکی تعلیمات اُردو خوان جماعت کے سامنے تفصیل سے پیش کیجائیں۔ اُمید ہے کہ خواجہ صاحب اس جانب جلد سے جلد متوجہ ہونگے۔ گو اس کام کی دشواریاں ایسی نہیں کہ اسے جلد ختم کیا جاسکے۔ گیتا کی ترجمانی کی ذمہ داری آسان نہیں۔

عبدالماجد

۷۸۶ ہوالکل یامعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

دیباچہ طبع اوّل

کرشن بیتی

آپ بیتی اور جگ بیتی، سب سنتے آئے ہیں، میں اُسی کی بیتی سُناتا ہوں جس نے ہندوستان والوں کو اپنی بیتی سمجھنے کی پرکھ سکھائی، جو جگ بیتی کی تصویر اُتار کر رکھ گیا۔ جس سے ہندوستانیوں کو اپنے جسم و روح کی زندگی کا راستہ معلوم ہوا۔

وہ آدمی تھا، آدمی سے پیدا ہوا تھا، اُس نے آدمیوں کی مثل اس زمین پر عمر بسر کی تھی، طفلی میں کمزور تھا، شباب میں شہ زور تھا، بڑھاپے میں اُسکا جسم بھی گھٹا تھا اور عقل بڑھی تھی۔

میں نے سری کرشن جی مصنف گیتا کی بیتا لکھی ہے، وہ ہندو تھے، میں مسلمان ہوں مگر میرے مذہب اسلام کی تلقین علم اور اہلِ علم کی محبت سکھاتی ہے، خواہ وہ کسی مذہب میں ہو اور رہوں۔

سری کرشن جی کے اوصاف علمی و عملی سے اگر مسلمانوں کی قوم باعتبار جماعت کے بیخبر ہے یا جبر دار ہے، تو اچھے خیالات ان کی نسبت نہیں رکھتی، اس کا الزام خود ہندوؤں پر ہے جنھوں نے سری کرشن کو خود اپنے نفسانی جذبات کا پُتلا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ انصاف کیا جائے تو سب ہندو بھی اس کے مجرم نہیں ہیں محبت بعض اوقات انسان کو گمراہ کردیتی ہے، ہندوؤں کے چند افراد سری کرشن کی الفت میں حد

سے بڑھ گئے اور اپنی شاعرانہ بلند پروازی اُنکی تعریف میں خرچ کرنیلگے۔ شاعری جذبات کی تصویر کو کہتے ہیں جیسے خلقت کے خود اپنے جذبات تھے وہی سری کرشن کی جانب منسوب کیئے گئے یا سری کرشن کے اوصاف کو اپنی نفسانی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ شروع میں ایک مختصر اور محدود جماعت ان خیالات کی ہوگی اور سمجھدار علم والے طبقے ان عامیانہ باتوں کو نفرت و حقارت سے دیکھتے ہونگے اور اُنہوں نے اسکی روک تھام کو یا تو اسوجہ سے فضول سمجھا ہوگا کہ عوام کے اعمال و عقائد جلدی فنا ہوجایا کرتے ہیں، یہ بھی چند روز میں مٹ جائینگے، اور یا چھوٹوں کے مُنہ لگنا اُنہوں نے اپنی شان کے خلاف خیال کیا ہوگا اور اپنے علم وعقل کی سوجھ پر مطمئن رہے ہونگے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان عامیانہ خیالات نے جڑ پکڑلی، اور وہ خواص کے عمل پر بھی مسلّط ہوگئے اور تمام قوم سری کرشن جی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے اور ایک ہی عقیدہ سے ماننے لگی۔ اور دوسری قوموں کی نظروں سے اپنے پاک آقا کو گرا دیا ؀

تو کیا اس کا الزام سب ہندؤں پر عائد ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر زمانہ میں ایسے ذی علم و دانشمند ہندؤں کی ایک کثیر جماعت موجود رہی ہے۔ جو سری کرشن کی اصلی شان سے واقف تھی اور اُن تمام خرافات کو خرافات ہی سمجھتی تھی جو سری کرشن کی ذات سے منسوب تھیں، اس لیئے انصاف کا تقاضا ہے کہ غیر اقوام ساری ہندو قوم کو اس کا الزام نہ دیں کہ اُس نے اپنے طاہر رہبر کو غلاظتوں سے آلودہ کرکے دنیا کے آگے رکھا ؀

میری خواہش اس کتاب کی تصنیف سے یہی ہے کہ مسلمانوں کو سری کرشن جی کے اصلی حالات بتاؤں، اور اُن کے پاکیزہ دماغوں کو ایک برگزیدہ آدمی کی نسبت بدگمان نہ ہونے دوں، جو قرآن شریف کی ہدایت کے خلاف ہے، جس میں ارشاد ہے ان بعض الظنّ اثم (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) میرا خیال و عقیدہ ہے کہ سری کرشن کو جاہل ہنڈؤں اور بے اعتبار ہندو کتابوں کے عقائد کی بنا پر عیاش، فریبی، فتنہ پرداز سمجھنا حقیقت کے خلاف اور سخت گناہ ہے ؀

میں اس ارادہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ یہ جب معلوم ہوگا کہ پڑھنے والے قومی تعصب سے الگ ہوں، اور انسانیت و سچے اسلام کی تعلیم انصاف سے متاثر ہو کر اس کتاب کو پڑھیں، اور اچھا نتیجہ نکالنے کا ارادہ رکھیں، کیونکہ نکتہ چینی اور اعتراض کی نیت سے جس چیز کو دیکھو ذہن کچھ نہ کچھ خرابی اُس میں دکھا سکتا ہے، بقول حضرت اکبر الہ آبادی

یہ اختلاف صورت فطرت کی مستیاں ہیں
یہ اختلاف معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

یہ ظاہر کرنا تعلّی نہیں ہے کہ میں بیس برس سے ہندوؤں کے علم دین، اور معاشرت کا مطالعہ کر رہا ہوں، اور مجھ کو ایک حد تک اُنکی دینی دنیوی خصائل کے سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ علم دین کے مطالعہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے سنسکرت پڑھی ہے، یا ہندوؤں کی علمی کتابوں پر عبور کیا ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ میں نے خود ہندوؤں کو پڑھا ہے، ان کے رسم و رواج کو پڑھا ہے اور یہی ہندوؤں کی ایسی کتابیں ہیں جو ہر زبان والے کی سمجھ میں آسکتی ہیں یعنی خود ہندو اپنی تاریخ، اپنے دین، اپنے تصوف اور اپنی معاشرت کی کتاب ہیں ان کو مطالعہ کرنا کاغذی کتابوں کے مطالعہ سے بے پروا کر دیتا ہے ؛

سب اعتراضوں کا ایک جواب

ہندوؤں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کو تاریخ لکھنی نہ آتی تھی، اُصول معاشرت سے بے خبر تھے کھانا، پینا، رہنا، سہنا آجتک وحشیانہ ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں اعتراض ہیں جن کے جواب آجکل کے تعلیمیافتہ ہندو، خصوصاً آریہ سماجی مختلف اخباروں، اور مختلف کتابوں مختلف تحریروں اور تقریروں میں دیا کرتے ہیں اور اپنا بیشمار وقت ان بحثوں میں برباد کرتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو اسمیں مصروف رہنے اور کاغذوں کو سیاہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ سب اعتراضوں کا ایک معقول جواب خود اُن کی قومی ہستی ہے جو خارج از حساب زمانہ سے موجود ہے ہندوؤں کو بھی زمانہ کی چکی نے بار بار پیسا ہے۔ ہندو بھی

انقلاب ایام کے ہنڈولے بیشمار نشیب و فراز کے تماشے دیکھ چکے ہیں۔ ہندوؤں نے ساری دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی برابر بلکہ شاید کچھ زیادہ حوادث و تغیرات عالم کا امتحان دیا ہے۔ مگر وہ۔ رومیوں، مصریوں، یونانیوں اور دوسری نامور قوموں کی طرح بالکل فنا نہیں ہوسکے۔ کتابیں اگر فنا ہوگئیں، ہو جانے دو، ہندو کتابوں کے محتاج نہ تھے کتابیں ہندوؤں کی محتاج تھیں جیسے کہ ہر قوم کی کتابیں ہی محتاج ہوا کرتی ہیں۔ قومیں کتابوں کو زندہ کیا کرتی ہیں، کتابیں قوموں کو زندہ نہیں کرسکتیں۔

آج ہندو کروڑوں کی تعداد میں زندہ ہیں، اُن کا دین گو بگڑ گیا ہے مگر فنا نہیں ہوا، اور خود ہندوؤں کی بولتی ہوئی کتابوں میں موجود ہے۔

ہندوؤں کو کھانا، پینا، رہنا سہنا نہیں آتا، وہ وحشی، جنگلی ہیں تو جنکو یہ کام آتے تھے، جو بڑے شائستہ، مہذب تھے، وہ کہاں ہیں اُن کو ذرا دکھاؤ۔ کیا شائستہ مصری باقی ہیں؟ کیا مہذب رومی موجود ہیں؟ کیا سلیقہ مند یونانی اپنی شان گزشتہ پر برقرار ہیں؟ نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں۔ مگر ہندو ہیں، آؤ دیکھ لو۔ براعظم ہندوستان میں ان کو دیکھ لو وہ اب تک بتوں کے توں موجود ہیں، لہذا ایسی جہالت۔ ایسی وحشت، ایسا جنگلی پن قابل اعتراض نہیں ہے جو زندہ رکھے، اور ایسی تہذیب شایستگی کی تعریف فضول ہے جس کے قائل ناپید ہوگئے ہوں۔

میں نے ہندوؤں کو اس نگاہ سے پڑھا ہے جو کتاب کی محتاج نہیں، مجھ سے ہندو کتابوں کی فہرست نہ پوچھو، نہ یورپ کے چھاپہ خانہ میں ملیگی، جو سمندر پار بیٹھ کر چھاپی گئی ہے، مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں ہندوؤں کے کتابی علم کا عالم ہوں میں صرف یہ کہتا ہوں کہ میں نے ۱۰ برس ہندوؤں کے ذریعہ ان کے دین دنیا کے مطالعہ میں صرف کیئے ہیں، میں ایک جھولی۔ ڈنڈا کمبل لیئے ہوئے متھرا، بندرابن، گوکل میں مدتوں رہ کر سری کشن جی کے مقام پیدائش و پرورش و عروج کو پڑھتا رہا اور برسوں رہا ہوں، آج دنیا میں بنارس بھی

گیا، میں خاص یکسوئی و تنہائی کی حالت سے خاک کے فرش پر پتھر سرہانے رکھ کر سویا کیا

کیا میں ہندو ہوگیا تھا؟

نہیں، جب بھی مسلمان تھا، اب بھی مسلمان ہوں، اور خدا نے چاہا مرتے دم بھی مسلمان رہونگا۔ میں اپنی مذہب اپنی معاشرت، اپنے رسم و رواج پر قایم تہا، قایم ہوں، قایم رہونگا میں نے یہ تفتیش کیوں کی؟ اس لیئے کہ میں چھ سو برس سے ہندوستان میں رہتا ہوں میری بہت سی پشتیں اس زمین میں دفن ہوگئیں۔ میں نے سیکڑوں برس اس بستی پر حکومت کی، مجھ پر اس خاک کا حق ہوگیا، نہیں حقوق ہوگئے۔ اسلام نے مجھ سے کہا تہا حُبُّ الوطن مِنَ الْاِیْمَانْ (ملک کی محبّت ایمان ہے) تو میں اپنے محبوب کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیوں نہ کرتا۔ میرا وجود اس ملک کی مٹی سے بنا ہے، اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے وجود کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا، پس میں نے اپنے وجود کی شناخت کی خاطر اس چیز کو شناخت کرنا چاہا جس سے میرا پتلا بنا تھا، میں تسلیم کرتا ہوں، سارا ملک ہندو نہیں ہے۔ مجھ کو اقرار ہے، صرف ہندؤوں پر ہندوستان کے فہم کا دارومدار نہیں لیکن ہندو بھی اس ملک کا ایک حصہ ہیں۔ سب ٹکڑوں کو ملانے سے ایک کُل بنا کرتا ہے لہذا میں نے ہندوؤں کو اُن کے مذہب و معاشرت و تصوف کے اعتبار سے بیس برس تک اس لیئے پڑھا، کہ وہ میرے مُلک کا ٹکڑا تھے؛

میرا پُرانا وطن

میں ناخلف نہیں ہوں، مجھ کو اپنا پُرانا وطن بھی یاد ہے کہ میں اُسکو کبھی دل سے دور نہ کرونگا نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ میں اُسکو بھول جاؤں، نہ وہ وطن مجھ کو فراموش کرنا چاہتا ہے، میں اُس پر جان دیتا ہوں، وہ مجھ پر مرتا ہے،

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

وہ عرب ہے، وہ مدینہ ہے، وہ میرے باپ محمدؐ کی نگری ہے، وہی وہ خیمہ ہے جس کے اندر تیرہ سو برس پہلے ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے، جس کے باہر اونٹ، اور گھوڑے بندھے رہتے تھے۔ اندر ہماری تلواریں لٹکتی تھیں،

جہاں ہم بکریاں چراتے تھے، جَو کا آٹا کھاتے تھے، کمبل پہنتے تھے، کیوں نہ کہوں، وہی جہاں سے اُٹھ کر ہم نے ساری دُنیا کو ہلا ڈالا، اور اُس کے تاج و تخت کے مالک بن گئے۔

چار برس ہوئے، جب میں اپنے اس پُرانے وطن میں گیا تو اُسکو بہت ہی پیارا پایا بے اختیار میرا دل اُسپر آیا، لیکن مَیں نے ہندوستان کو وہاں بھی دل سے الگ نہیں کیا، اس آنکھوں کی ٹھنڈک پر بے توجہی و بھول کا پردہ نہیں ڈالا۔ میں نے وہاں ہند کے بادلوں بجلیوں کو یاد رکھا، برسات کی مستانہ ہواؤں، کوئل اور مور کی آوازوں، تالاب کے مینڈکوں کی صداؤں کو خیال میں لایا، اور محبت کا ٹھنڈا سانس لیکر اپنے جنمی وطن کو مُڑ مُڑ کر بار بار دیکھا،

خوش ہوں، میرا عرب سلامت ہے، خوش ہوں، میرا ہندوستان سلامت ہے،

دوسرا خیال

اس کے علاوہ ایک دوسرے خیال کو بھی اس تحریک سوانح نویسی میں دخل ہے اور وہ اُردو زبان کی خدمت ہے۔ کیونکہ ہم سب ہندو مسلمان اپنی اُس زبان کی ترقی کے فرض میں شریک ہیں جو ہم دونوں کو زندہ رکھنے اور آگے بڑھانے کی کنجی ہے، خدا نے بہت سے ہم دونوں کو اندھا کر رکھا ہے، ورنہ سچ بات یہ ہے کہ (اُردو اگر وہ اُردو ہو) ہندو مسلمانوں کی مشترکہ سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے، ہر ہندوستانی کا دل اس کو تسلیم کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہماری زبان ویسی ہی شاندار ہو جائے، جیسا ہمارا ملک تمام دنیا میں شاندار ہے، اُردو ہندی کی بحث میں دونوں فریق اُصولی مقصد کو بھول

جاتے ہیں، اور ایک بھائی دوسرے ملکی بھائی کو حریفانہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کتاب کو اُردو میں لکھ کر مجھے اطمینان ہوا، کہ میں نے اپنی زبان کا حق ادا کیا، کیونکہ اُردو زبان میں سری کرشن جی کے حالات بہت کم ہیں، اور جو ہیں وہ ذاتی عقائد و خیالات کی بنا پر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے صاحب نے جو لائف سری کرشن جی کی لکھی ہے اُسمیں آریہ سماجی نظر سے ہر بات کو درج کیا ہے، گویا قدیمی خیال کے ہندوؤں کی تردید میں یا سماجی اصلاح کے ماتحت یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ بہت غنیمت ہے، اور مجھ کو اُس سے بہت مدد ملی ہے، تاہم یک طرفہ اظہار خیالات کا الزام اِسپر عائد ہو سکتا ہے، لالہ صاحب موصوف کے علاوہ چند کتابیں اور بھی ہیں جنکو میں نے فراہم کر کے دیکھا مگر کوئی کتاب ایسی نہیں ملی، جو غیر ہند و خصوصاً مسلمان لوگوں کو حالات سری کرشن جی سے بخوبی آگاہ کر سکے ؎

سب سے بڑی کمی

ان کتابوں میں یہ ہے کہ ان کی نہ زبان اچھی ہے، نہ کاغذ اچھا ہے، نہ لکھائی اچھی ہے نہ چھپائی میں اہتمام کیا گیا ہے، خیال تو کرو کسی عظیم الشان اور حسین آدمی کی لائف اور ایسی بدشکل، کہ ضرورتمند اور عقیدت شعار آدمی کے سوا کوئی نفیس طبیعت والا، ان کتابوں کو ہاتھ میں لینا بھی پسند نہ کرے ؎

تجارت پیشہ لوگ، روپیہ کمانے کی خاطر ایسی خراب کتابیں چھاپتے ہیں، اور غریب اُردو کو غیروں کی نگاہ میں ذلیل کرتے ہیں ؎

مَیں نے اس بڑی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، خاص اہتمام سے عکسی تصاویر تیار کرائی ہیں، اور باوجود یکہ جنگ نے دام بڑھ جانے کے کاغذ دبیز اور نفیس لگایا ہے لکھائی اور چھپائی میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکا، کوشش کی ہے کہ عمدہ ہو، اور اسطرح اپنی دانست میں اُردو زبان کا حق زیبائش ادا کیا ہے،

انگریزی، ہندی میں سُنتا ہوں، بعض کتب احوالِ سری کرشن میں بہت اچھی شایع ہوئی ہیں، ہوں، جب اُردو میں نہیں ہیں، تو سمجھو کہیں نہیں ہیں، اُردو اپنی ترقی اپنی ہونہاری اور اپنے اُس عالمگیر اثر کی بنا پر جس کا قبضہ مُلک کے بہت بڑے حصّہ پر ہے یہ حیثیت رکھتی ہے کہ اسمیں ہر قسم کے اہم اور ضروری مضامین فراہم ہوں اور اسمیں شک نہیں کہ سری کرشن جی کی زندگی ہمارے ہی ملک میں نہیں، ساری دُنیا میں ایسی پُرعظمت زندگی ہے جس کی کیفیت اُردو میں اِس طرح ہونی ضرور تھی کہ ہر خاص و عام ہندو مسلمان اور اُردو داں سمجھ کر پڑھ سکے ؛

میں نے میسز اینی بیسنٹ کی کتابوں کے اُردو ترجمے، اور تمام پُرانے خیال کے ہندوؤں کی تصنیفات کا ایک پورا ذخیرہ فراہم کرکے یہ کتاب لکھی ہے، اور اپنے ہندو مسلمان دوستوں سے قدم بقدم مشورہ لیتا گیا ہوں ؛

کتاب کا نام

مَیں اُردو زبان کے اُن طرفداروں میں ہوں، جو روزمرہ کی بول چال میں لکھتے ہیں، اور ہندی، عربی، فارسی کے الفاظ سے اپنی تحریر کو مشکل نہیں بناتے، اسواسطے میں نے سب سے پہلے اس کتاب کے نام میں یہ کوشش کی کہ وہ سب سے نرالا اور نیا اور عام فہم ہو۔ کرشن بیتی ایسا نام ہے جس میں جدّت بھی ہے، اختصار بھی ہے، دل پسندی اور نظر فریبی بھی ہے ؛

پہلا حصّہ

اس وقت میں کرشن بیتی کا صرف پہلا حِصّہ شایع کرتا ہوں۔ جس میں سری کرشن کے محض واقعات زندگی ہیں، دوسرے حِصّہ میں اُن کی تعلیم، کیرکٹر، اور اُن کے زندہ اُپدیش "گیتا" پر رائے زنی ہوگی ؛ فقط

حسن نظامی

۷۸۶ ہوالکل یا معین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بستی

ظلمۃ الظلم

ستم کی تاریکی

سورج بنسی چندر بنسی دو خاندان تھے، ہندوستان کے نامور مشہور زمانہ تاجور راجہ اکثر ان ہی دو نسلوں میں ہوئے ہیں۔ کرشن جی باپ کی طرف سے سورج بنسی ماں کی جانب سے چندر بنسی تھے۔ ایک پتلے میں سورج چاند کی روشنیاں جمع ہوئی تھیں۔ ایک گرم تھی۔ قہاری وجباری کا آشیانہ۔ دوسری ٹھنڈی تھی شفقت ورحمت کا آستانہ۔

متھرا ایک شہر ہے دہلی سے اسی میل کے فاصلہ پر۔ جمنا دریا کی لہروں کے کنارے مشہور معروف راجہ رامچندر جی کے زمانہ میں اسکو مدھوبن کہتے تھے جسپر راجہ مدہو کی حکومت تھی۔ راجہ مدہو چندر بنسی نسل میں تھا۔ اور سورج بنسی خاندان کی سلطنت سے اسکا بڑا دستانہ تھا۔ جس کا پایہ تخت اجودھیا فیض آباد میں تہا۔

راجہ مدہو کے ایک لڑکی تھی جسکی شادی راجہ مدہو نے سورج بنسی خاندان کے ایک شہزادہ کے ساتھ جو اجودھیا سے متھرا آگیا تھا کردی، اس شہزادہ کا نام ہرلیوا باہر جشیا تھا۔ شہزادہ ہرلیوا راجہ مدہو کا داماد بھی ہوا اور تخت متھرا کا مدہو کے بعد مالک ہ۔ یہی ہرلیوا کرشن جی کا آٹھویں پشت اوپر دادا ہوتا ہے جس کی آٹھ نسلوں کے

بعد واسدیو نامی ایک لڑکا ہوا۔

باسدیو ایک یتیم شہزادہ تھا۔ جسکے باپ وسر یا سور کو چندر بنسی خاندان کے ایک راجہ اگرسین نے قتل کرکے تخت متھرا پہ قبضہ کر لیا تھا۔ اور یتیم شہزادہ باسدیو کو غاصب وقاتل راجہ اگرسین کے بھائی دیوک نے پرورش کیا تھا۔ اور باسدیو حریف کے ہاتوں میں پل کر اُسی کا بیٹا کہلاتا تھا۔

مالک رج متھرا اگرسین کا ایک بیٹا کنس نامی تھا اسی کنس کی بہن اور اگرسین کی بیٹی دیوکی تہی جسکو کرشن جی کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

شہزادہ باسدیو مفتوح ومحکوم بھی تہا اور یتیم بھی تہا۔ تاجدار اگرسین کی بیٹی دیوکی کا اسکو ملنا دشوار تھا۔ اگر دیوک اگرسین کا بھائی زور نہ لگاتا۔

قدرت نے پلٹی کھائی باسدیو اور دیوکی کی شادی رچی۔ کنس جیسا مغرور ومفسد شخص جو اپنے باپ اگرسین کو معزول کرکے خود ملک کا مالک بن بیٹھا تھا ایسا بیخود ہوا کہ خوشی کے چاؤ میں دُلہن بہن کا رتھ بان بنا۔ اور وداع کے وقت رتھ ہانکتا ہوا اُسکی دولھا کے ہاں لے چلا۔

کنس کی فرعونیاں

حضرت ابراہیمؑ کے نمرود۔ اور حضرت موسیٰؑ کے فرعون سے کنس کسی بات میں کم نہ تہا۔ دنیا کی ہوس ویسی، زندگی کی طمع ویسی، ظلم وستم کا وہی عالم، بے دردی وسنگدلی کا وہی طور،

باپ کو تخت سے محروم کرکے تاجدار بنا۔ ذرا ذرا سے وہم پہ سینکڑوں بیگنا ہوں۔ یہانتک کہ معصوم بچوں تک کے خون پانی کی طرح بہا دیئے۔ دنیا کی کوئی آوارگی ایسی نہ تھی جس سے اس حرص کی مُوت نے دل نہ لگایا ہو۔ ایسے تیز مسالحہ کو آگ کی کیا کمی۔ آس پاس

کے مصاحب بھی شیطان کے نورچشم تھے۔بات بات میں بھڑکاتے۔وہمی خطروں سے ڈراتے۔اور کہتے ہمیشہ حکومت کرنی ہو تو۔اس میں کوئی کانٹا نہ پیدا ہونے دے۔پھر بھلا باسدیو جیسے شخص کی طرف سے کنس اور اُسکے یاروں کو کھٹکا نہ ہو۔ہر وقت سوچتے ہونگے۔کانا پھوسی ہوتی ہوگی۔آنکھوں ہی آنکھوں میں اُتار چڑھاؤ اور دلوں کے ارادے جانچے جاتے ہونگے :

باسدیو کے باپ دادا کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔اُس کے باپ کو تلوار کے گھاٹ اُتارا تھا۔وہم کے دریا میں جس قدر بھنور پڑتے کم تھے۔مگر جانتا تھا باسدیو چچا دیوک کی گود میں پلا ہے آنکھ کھولکر جسکو باپ سمجھا وہ میرا ہی چچا دیوک ہے۔دیوک کی تربیت نے باسدیو کا خون ٹھنڈا کر دیا۔اب باسدیو کو سلطنت کا خیال نہیں آئیگا۔اُس نے طفلی سے ہماری ہی حکومت کو اپنی بادشاہت سمجھا ہے۔اور بچپن میں جو خیال دل پر جم جاتا ہے ساری عمر قایم رہتا ہے۔پھر اس سے خوف کے کیا معنی۔

اِسی خیال سے اپنے چچا دیوک کی خواہش کو مان لیا ہوگا کہ اپنی بہن دیوکی باسدیو کو دیدے۔جانا ہوگا۔آستین کے سانپ کا اس من سے منہ بند رہیگا۔

تب ہی پاس بیٹھنے والے شیاطین خواہ مخواہ کی خیر خواہی جتانے کو کہتے ہونگے بھیڑیئے کا بچہ بھیڑیا ہوتا ہے۔گو بکری کے دودھ سے پلا ہو۔باسدیو سے بے فکر رہنا ٹھیک نہیں۔اپنی بہن دیوکی کو دیتے تو ہو۔آئندہ کے نشیب فراز سوچ لو۔یہ پیوند نیا پھل نہ لائے۔کنس ایک تو کریلا اُسپر چڑھا نیم۔عجب خلجان میں ہوگا۔دلمیں رنگ رنگ کے ہنگامے برپا ہونگے۔کبھی کہتا ہوگا بہن دینے سے پرایا اپنا ہو جائیگا۔کبھی ڈرتا ہوگا بدل نہ جائے۔دیوکی کو قلعہ حکومت کے فتح کی سرنگ نہ بنالے۔

حریص و بے درد کا ارادہ کمزور رہا کرتا ہے۔وہ ٹھیک رائے قایم کرنے سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔یہی حال کنس کا ہوا چچا دیوک اور مفتوح حریف باسدیو کا کہنا مان لیا

بہن دیدی دل بہلانے اور ریاکاری کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔
برات وداع ہوکر جا رہی تھی قاتل زادہ مقتول زادہ کیلئے اپنے گھر کی عزت رتھ میں بٹھائے چلا جاتا تھا۔ متھرا کے بازار اس رعایا سے بھری ہوئے تھے۔ جو کل باسدیو کے باپ دادا کی محکوم تھی۔ اور آج کنس کی تابع فرمان ہے۔ بیشمار دل جنمیں قدیمی حکومت کا لگاؤ باقی ہوگا۔ اپنے غریب شہزادہ باسدیو کے سر پر سہرا دیکھ کر اور پیچھے فاتح کی بیٹی ڈولا پا کر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہونگے۔ اور عجیب و غریب شگون لے رہے ہونگے۔
ایسے دلوں کی بھی کمی نہ ہوگی۔ جنکا ایمان کنس کی تاجداری پر ہوگا۔ ان کو اپنے راجہ اپنی عزت کے رکھوالے کی یہ ادا کانٹے کیطرح کھٹکتی ہوگی۔ کہ حریف کی بیوی کا رتھبان بنا ہوا جا رہا ہے۔
دلوں کے ان بے تعداد مقناطیسوں نے کنس کے آہنی دل کو متاثر کیا ہوگا۔ اس کے وگدا میں پھنسے ہوئے دماغ پر خلقت کی خیالی بجلیاں گری ہونگی۔
اس واسطے کنس چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی ریاکاری آئندہ کی مصلحت سے مغلوب ہوگئی۔ اس کے کان نے اپنے گنہگار ضمیر کی ایک آواز سنی۔ کہ اسی دیوکی کے بطن سے باسدیو کے ایک بیٹا جو ہوگا تیری جان اور راج پاٹ کو خاک میں ملا دیگا۔
ہندوؤں کی کتابیں اس موقع پر بیان کرتی ہیں کنس نے غیب کی آواز سنی۔ کہ دیوکی کا بیٹا تیرا قاتل ہے۔ کہیں لکھا ہے۔ نجومیوں نے عین وقت کے وقت سر راہ یہ خبر دی۔
کسی ہی طریقہ سے سمجھ لو۔ الفاظ الگ الگ ہیں۔ بیان کا ڈھنگ جدا جدا ہے۔ واقعہ کی صورت علیحدہ علیحدہ ہے۔ مگر نتیجہ اور مطلب ایک ہے کہ کنس کو دیوکی اور اسکی آنیوالی نسل سے اندیشہ پیدا ہوا جس سے ڈرا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ ڈرایا جاتا تھا۔
اب کیا تھا۔ دیوانہ کو ایک ہو کافی ہے دل کا اندھیرا آنکھوں میں آگیا۔ انصاف کی عقل غش کھا کر گر پڑی ظلم کی عقل نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تلوار پر ہاتھ سیدھا کر رکھدیا

نس نے اس کو میان سے کھینچ لیا۔ اور برہنہ شمشیر کی طاقت سے بہن کا رشتہ برہنہ کر دیا۔ رتھ کا پرزہ
ٹھنا تھا دیوکی بے گناہی کی حور کانپ گئی۔ تلوار کی چمک نے اُسکی آنکھوں پر گھونگٹ ڈالدیا۔
تلوار اُستی چا۔ وں طرف سناٹا چھا گیا۔ آن کی آن میں خوشی کی چیخ پکار سہم کر چپ ہو گئی
لقت سکتہ میں تھی۔ براتی نقش حیرانی تھے۔ خود کنس تلوار تولکر بت بنا رہ گیا تھا
بالات کی لڑائی ٹھہرانی چاہتا تھا۔ کہ باسدیو کی خوشامد اور عاجزی نے اِس ستھراگیر
سکوت کو توڑا۔ کنس مجنونوں کی طرح باسدیو کی منت و زاری سُن رہا تھا۔ جو اُس
کے غیظ کی آگ پر پانی ڈال ڈالکر بجھا رہی تھی۔ کنس اور اُس کی فرعونی دب گئی۔
سدیو کا جادو چل گیا۔ تلوار غلاف میں چھپی۔ برات آگے بڑھی۔

کہتے ہیں اُسیوقت باسدیو سے عہد لے لیا گیا تھا۔ کہ دیوکی کے بچے زندہ
ہیں رکھے جائیں گے۔

متھرا پر اور اس کے تاج کی روشنی جہاں جہاں جاتی تھی گناہوں کا اندھیرا تھا۔
ھروں پر۔ جسموں پر۔ خیالوں پر۔ نیکیوں پر شیطان کی کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ مگر
ریکی اپنی حد پر نہ پہنچی تھی۔ اندھیرا بل کھا رہا تھا پر الجھا نہ تھا۔ خدا کا قہر کالی یا ود
ٹھا رہا تھا لیکن وہ سو کہی نہ تھی۔

وہ دن بھی آ گیا۔ دیوکی بیٹا جنی۔ کنس کو خبر دی۔ وہ محل میں آیا۔ اپنے ظلم کے دشمن
سدیو کے لال اور اپنی ماں جائی دیوکی کے نونہال کو دیکھ کر بے آپے ہو گیا۔ گود
بں پڑے خدا کے کھلونے نے دشمن خدا کنس کو اپنا بے قابو بے کس وجود دکھایا مگر
ظالم کو ذرا رحم نہ آیا۔

باسدیو اور دیوکی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ بے زبان بچے کی پیاری ٹانگ کنس
کے ہاتھ میں تھی۔ جس کو سفاک نے ایک گردش دی۔ اور پتھر کے فرش پر
دے مارا۔ سفید زمین دنیا کے ننھے مہمان سے لال ہو گئی۔ اُس نے دو آوازیں دیں

ایک جب اس کو بے ترسی سے پاؤں پکڑ کے چیخ دیا گیا تھا۔ دوسرے جب زمین پر گر کر پاش پاش ہوا۔ دونوں آوازوں میں لفظ نہ تھے۔ مگر معانی تھے۔ وہ تکلیف و بےچارگی کی چیخیں تھیں۔ لیکن فریاد کے ہزاروں لہجے اِن سے مفہوم ہوتے تھے۔

باسدیو اور دیوکی کی ماتا خون میں نہائی۔ زمین پر مری پڑی تھی۔ اِن کی خوشی کا چاند گود کے آسمان سے اُتر کر موت کے برج میں چھپ گیا تھا۔

دل کہتے تھے آہ۔ آنکھیں کہتی تھیں آہ۔ ہوش و حواس موجود نہ تھے۔ جو اُن کا بیان سُنا جاتا۔

دیوکی سوچتی تھی اِس زمین پر بہو کے مفلس۔ ماستا کی بھری پُری گود کے مالک ہیں۔ میں اِس شاہانہ محل میں کیوں پیدا ہوئی۔ لوگو میرے نو مہینے کی محنت اُجڑ گئی۔ اور ماتا سے بھرپور گود خالی رہ گئی۔ یہ سورج بنسی گھرانہ کا ننھا سا سُورج نکلتے ہی چھپ گیا یہ چندر بنسی کنبہ کا پیارا پیارا چاند طلوع ہوتے ہی غروب کر دیا گیا۔

ارے کیا اس دیس میں میرا کوئی مددگار نہیں۔ کوئی ہو تو آوے۔ میرا لاڈلا سو گیا ہے۔ اِسکو جگائے۔ بھائی کنس کو خبر دو۔ میرا بیرن بھیا میری بپتا سُنے گا۔ اوہ میں بھولی کنس کو نہ بلاؤ۔ وہ میرے بچے کو مار ڈالے گا۔ دیکھو دیکھو یہ بچہ مار ڈالا۔ کس کا لاڈلا تھا کیسا پھول سا کملایا پڑا ہے۔

ہائیں۔ سب چپ کھڑے ہیں کوئی نہیں بولتا۔ یہ بچہ کون لایا تھا بھائی نے اِسکو کیوں مار ڈالا۔ میرا پتی باسدیو بھی چپ ہے۔ اِس نے بھی پرائے بچے کو نہ بچایا۔

ہائے ایک ہوک کلیجہ میں اُٹھی جگر کٹا جاتا ہے۔ دل پھٹا جاتا ہے۔ سینہ میں آگ لگی۔ آنکھیں ہچکیاں لیتی ہیں۔ شعلوں کے آنسوؤں کی قے کرتی ہیں۔ یہ تو میرا ہی دولہا ہے۔ لال پھول کا سہرا بندھا ہے۔ یہ تو میرا ہی دل جانی ہے۔ آہ میرا بیٹا ہے۔ میرا بیٹا ہے۔ میرے سوکھے تالاب کا کنواں ہے۔

کہاں ہے۔ نہیں ہے ۔ مرگیا۔ مارڈالا گیا۔ اب نہیں ہے ۔ آیا ہی نہیں تھا۔ اُف
ت کہتے کہتے ہاتھ مُنہ پر رکھ لیئے۔

باسدیو مرد تھا دیوکی کی طرح دیوانہ نہیں ہوا۔ مگر غم نے اِس کا حال بھی غیر
کر دیا تھا۔

کلیجہ میں اٹکی کھٹک چند روز
نکلتے نکلتے نکل ہی گئی

آخر جی ٹھہر گئے۔ غمزدوں کو قرار آ گیا۔ دن گزرنے لگے۔ راتیں بسر ہونے لگیں
بھول کے پانی نے غبار دھو دئے۔ صبر کے مرہم نے کلیجہ کے زخموں پر کھرنڈ
جما دئے۔

یہ ہو چکا تو اور اُمید ہوئی۔ نو مہینہ کے بعد دوسرا ستارہ چمکا۔ مگر وہ بھی کنس
کی شیطانی جلن پر شہابِ ثاقب بنکر ٹوٹا اور ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

خیال کرنا باسدیو اور دیوکی کے دل پر ہاتھ دھرنا۔ کیا کہتا ہو گا۔ دو کلیاں کھلنے سے
پہلے ظالم نے پیروں میں مل دیں۔ اور یہ بیچارے کچھ نہ کر سکے۔ اور دو کیا اُن دو کے
بعد چار بچے اور ہوئے اِنکو بھی قصائی ماموں نے اپنے فانی تاج پر قربانی چڑھایا۔

متھرا میں جو سنتا کلیجہ تھام کے رہ جاتا۔ باسدیو اور دیوکی کی بے چارگی پر آنسو
بہاتا کنس سے پہلے ہی کون خوش تھا۔ اِن حرکتوں نے اور بھی ہلچل ڈالدی تھی۔ بچہ بچہ
کنس کے نام پر لعنت بھیجتا تھا۔ اور اُسکی بربادی کی دعائیں مانگتا تھا۔ حد تھی سگی بہن کے
چھ جگر کے ٹکڑے کاٹ ڈالے اور دربار میں کسی خدا کے بندے کو بولنے کی ہمت نہوئی
ہمت کرتا کون جو پاس رہتے تھے۔ اپنے قدح کی خیر مناتے تھے۔ اور وہ کنس کے دم
سے سلامت تھا۔ پھر وہ کیوں اِن بچوں کی سفارش کرتے جن سے تاج کنس کو خطرہ
مشہور تھا۔ اور جو خدا لگتی کہنے والے تھے۔ اِنکی دربار تک رسائی نہ تھی۔

بلرام کا حمل

دیوکی کو ساتواں حمل ہوا۔ یہ دن کیا آتے تھے۔ ماں باپ کو کانٹوں کی سیج پر سلاتے تھے۔ ساتواں حمل سنتے ہی باسدیو نے ٹھان لی کہ اِس بچّہ کو خونی کے چنگل سے بچانا چاہیے تدبیروں کے بازحیلوں کی چڑیاں پکڑ پکڑ کر لانے لگے۔ متھرا کے قریب گوکل نامی بستی تھی۔ جہاں گائیں پالنے والے لوگ رہتے تھے۔ وہیں باسدیو کی دوسری بیوی روہنی رہتی تھی۔ تجویز ٹھہری کہ اِس کا بچّہ روہنی کے ہاں بھیجدیا جائے اور یہی ہوا بلرام پیدا ہوئے اور چپ چپاتے گوکل پہنچائے گئے محل میں مشہور رہا۔ دیوکی کا حمل گر گیا۔ کنس نے بہت تحقیق کیا۔ مگر بھید نہ کھلا۔

بعض کہتے ہیں بلرام دیوکی کے شکم سے نہیں روہنی ہی کے پیٹ سے ہوئے تھے حاصل یہ ہے کہ بلرام کسی ماں سے ہوں باسدیو کے لخت جگر تھے۔ اور کنس کے ظلم سے خدا نے اُن کو بچا لیا تھا۔

خود پروردگار کی آمد

اب سُنئے آٹھواں حمل دیوکی کو معلوم ہوا۔ اُسیکا بڑا ڈر تھا۔ نجومیوں نے آٹھویں حمل کی پیشین گوئی کی تھی۔ پہلے کے چھ قتل تو احتیاطاً تھے۔ اصل مقصود یہی آٹھواں تھا، اُدھر کنس چھُرچھُری لیکر چوکنا ہوا۔ اِدھر باسدیو۔ دیوکی اور اُن کے مخفی ہوا خواہوں نے حفاظت کے توڑ جوڑ شروع کیئے۔ کنس کے بندھن بڑھنے لگے۔ باسدیو اور دیوکی اول دن سے ایک خاص محل میں نظر بند تھے۔ اِس حمل کی سُنکر نظر بندی کی قید کڑی ہوئی۔ پہرے بڑھائے گئے۔ دیکھ بھال۔ روک ٹوک میں اضافہ ہوئے۔

ایک دن دیوکی جمنا میں نہانے گئی تھیں۔ پورے دن ہو چکے تھے۔ اور انکو ہر وقت آنیوالے غم کا سا نسا لگا رہتا تھا۔ دیکھا دریا پر گوکل کی ایک اور نیک عورت اشنان کر رہی ہے

نام پوچھا جسودھا بتایا - نند نامی گوالیہ کی بیوی ہی - اور اتفاق سے اسکو بھی نو مہینے کا
حمل تہا - دیوکی نے اپنی بپتا اسکو سنائی - وہ سنکر بہت کڑہی - اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی
اور بولی - رانی جی تسلی رکھو - رعیت کے بال بچے راجہ پر قربان ہیں - اب کے میرے ہاں
جو بچہ ہوگا وہ تمہارا ہے - تمہارے بچہ کی بھینٹ چڑہاؤں گی - دیوکی بولی نا بی بی ماماتا سب
کی برابر - مجھ سے یہ کیونکر ہوگا - کہ پرائے بچہ کو اپنی آگ میں جلا دوں - مگر جسودہا نے
منت کرکے دیوکی سے یہ قربانی قبول کرالی -

صبحِ صادق

سچائی کا سویرا

لو وقت آگیا - رات کی تاریکی کے نور کا تیر لگا - اندہیرے کا سینہ چھد گیا - بھادوں
کی کالی رات متھرا کی ظلم کار سیاہی سے گلے مل رہی ہے - زخمی ہے - دم دے رہی
ہے - خدا نے کالی گھٹا کو بھیجا ہے - بادلوں کی گرج کو ساتھ کیا ہے بجلی قہر کی زبانیں نکال
نکالکر ابر کا لشکر سمیٹے لیئے چلی آتی ہے -

ذرا ٹھہرنا تیز ہوا کا سناٹا کڑک - چمک - اور بارش کا شور - سننے نہیں دیتا -
متھرا میں غیبی ارواح کیا نغمہ گا رہی ہیں - کس کی آمد کا ترانہ سنا رہی ہیں -

دیوکی کا محل کنس کا جیل خانہ ہے - برسوں سے چپ چاپ غم کا پہریدار لئے کھڑا
تہا - آجکی رات سرور کا نور اس سے ابل رہا ہے جسکی شعاعیں بجلی کی آنکھ بند کئے
دیتی ہیں -

اندر چلنا - کیا سماں ہے - اسپر بھی نظر ڈالنا - آدمی کا بچہ پیدا ہوتا ہے جس طرح

دنیا کے سب آدمیوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اسی بچّہ کی ولادت میں عجب شان ہے۔ اندھیرا کانپ رہا ہے۔ چہرہ پر زردی چھائی ہے۔ سہم کر پیچھے ہٹ رہا ہے۔ زندان خانہ کی دیواریں شوق دید میں جھکی پڑتی ہیں۔ باہر بادل نقارہ بجاتا ہے۔ ہوا تُرئی پھونکتی ہے بجلی بان چھوڑتی ہے۔ بوندیں ابر کی کمانوں سے تیر بن بنکر آتی ہیں۔

اندر خاموشی کو برسوں کے بعد زبان ملی ہے۔ ہوشیار باش نگاہ وار کی صدا لگاتی ہے۔

آج اُس سپہ دار اعظم سناپتی کمانڈر ان ہند کی آمد ہے جسکی فوجیں پراگندہ پھرتی تھیں۔ جو بر اعظم ہندوستان کا سب سے بڑا قائد الجیوش سپہ سالار ہے آج زمین کے چہرہ پر وہ آنکھ نمودار ہوتی ہے جسکی دید خاک سے افلاک تک محیط ہے۔ یہ غلغلہ اسکی تشریف آوری کا ہے۔ جو رزم میں بزم میں دُکھ میں سکھ میں جینے میں مرنے میں زندگی کے ہر کونے میں ہندی انسانوں کا غمگسار ہے۔ بڑوں کا سردار ہے۔ چھوٹوں کا دلدار ہے۔

صاف سنو استقبال کو آگے بڑھو۔ کرشن جی پیدا ہوتے ہیں۔ نور کی چادر تانو۔ اِس سِرِ الٰہی کو اغیار کی آنکھوں سے بچاؤ۔ چھپاؤ جلدی چھپاؤ ابلیس کی نظر نہ لگجائے۔

باسدیو نے گود پھیلائی۔ دیوکی نے گود اُٹھائی۔ خدا کی دین کا دونوں میں لین دین ہو ماتا نے اپنا دیا پتا کے آغوش میں دیا۔ پتا نے جگمگاتا تارا سینہ سے لگایا۔ اور باہر کا رستہ لیا۔ نیک ارواحیں مٹی کی آنکھوں سے پوشیدہ اس نور کے پتلے کے ساتھ ہوئیں دروازے کے دربانوں کو سُلا دیا۔ اور وہ تو پہلے ہی گناہ کی تاریکی سے اندھے ہوچکے تھے۔ بعض کہتے ہیں باسدیو سے مل گئے تھے۔ اِس بچہ کی حفاظت میں مدد دینے کا قول ہار چکے تھے۔ جان بوجھ کر غافل ہوگئے۔ اور باسدیو بلا تردد محل سے نکلے چلے گئے۔

ابر برس چکا تھا آسمان صاف تھا۔ تارے جھلملاتے تھے۔ خدا کے پیارے پر جو باسدیو کی گود میں تھا اپنا شیریں نور برساتے تھے۔ غیب کے تماشے جن آنکھوں کو نظر آتے ہیں انہوں نے دیکھا شیش ناگ نے اپنے پھن کا سایہ بچہ پر کر رکھا ہے۔ جو عقل کے کوچہ سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ ہر عجوبہ کی تاویل کرنے کے عادی ہیں۔ بولے ناگ ایک قوم تھی۔ اس کے سردار نے اسوقت باسدیو کی مدد کی تھی۔ میں نے کہا۔ ناگ اژدہا ہو یا آدمی فرشتہ ہو یا شیطان۔ ایک مظلوم شخص کا غیبی حمایت کار تھا۔

باسدیو جمنا کے کنارے پہونچے۔ بھادوں کے مینھ کا دریا کنارے سے اُبلا ہوا جوش کے چڑھاؤ میں چڑھا ہوا آبی دامنوں کو جنگل میں پھیلائے سپاہیانہ کف منہ میں بھرے سائیں سائیں کرتا بہتا چلا جاتا تھا۔ جوں ہی باسدیو وحدت کا سمندر گود میں اٹھائے اس کے کنارے آئے۔ جمنا خوشی سے لہرائی انتظار کے آنسوؤں کو پینے لگی پھیلے ہوئے پانی کو سمیٹنے لگی۔ اس کا کھڑا پانی بیٹھ گیا۔ اور بیٹھی تہ کھڑی ہو گئی۔ پھر گہراؤ کیونکر رہتا۔ دریا پایاب ہو گیا۔ کشتی کی ضرورت نہ رہی۔ باسدیو اسمیں گھسے چلے گئے اور پار اتر گئے۔

نئی روشنی کی عقلیں پھر غوطہ کھائیں گی۔ بغیر کشتی کے پار جانے میں ان کو تعجب نکار ہوگا۔ مگر سچے مسلمان تو ان کرشموں کے قائل ہیں قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو دریائے نیل نے راستہ دیدیا تھا۔ اور اسمیں خود بخود دوبارہ سڑکیں بن گئی تھیں۔ عقلاً غور کرو تو بہتیری مثالیں ایسی ملیں گی کہ دریا کو بغیر کشتی کے عبور کر لیا اور کسی کا بال بیکانہ ہوا۔ رسول خدا صلعم کے اصحاب نے ایران پر حملہ کیا۔ دریا کے اُس پار غنیم کی فوج تھی۔ اس پار مسلمان تھے۔ دریا کی طغیانی کشتیاں ناپید سپہ سالار لشکر نے حکم دیا گھوڑے دریا میں ڈال دو۔ سپاہ نے تعمیل کی۔ سب خدا کا نام لیکر کود پڑے۔ حریف ایرانی یہ جرأت دیکھ کر ڈر گئے۔ بولے۔ یہ آدمی نہیں جنات ہیں

یہ کہکر بھاگ نکلے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی فوج کا ذرا نقصان نہوا اور اُنہوں نے پار جاکر ملک کو فتح کر لیا۔

ایسا ہی قصہ بابر بادشاہ کا تاریخوں میں مذکور ہے۔ وہ بھی گنگا کی طغیانی میں تلوار ہاتھ میں لیکر کود گیا تھا اور فوج کو تیراتا ہوا پار لے پہنچا تھا۔

باسدیو کے لیئے اور ان کے اس بیٹے کے واسطے دریا کا خشک ہوجانا جو خدا کا مقبول تھا کچھ عجب نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ باسدیو کی ہمّت اور قوّت ارادی کشتی بنگئی اور وہ چڑھے دریا میں بے خوف و خطر تیرتے ہوئے دریا پار نکل گئے۔

پار جاکر کرشن جی کو جسودہا کی گود میں دیا۔ اور اُس کی بیٹی کو اپنی گود میں اُٹھا پھر متھرا آ گئے۔

صبح ہوئی۔ دیوکی کے ہاں بچہ ہونے کی اطلاع اُس موذی کنس کو دی گئی جو اس گھڑی کے انتظار میں برسوں سے سینہ میں دل دہڑکا رہا تھا۔ سنتے ہی آندہی کے جھونکے کی طرح دیوکی کے محل میں گھُسا تا کہ ٹمٹماتے چراغ کو بجھا دے۔ اور اپنے ظلم کے تاریک گھر میں اطمینان کی شمع جلائے۔

باسدیو اور دیوکی ہاتھ جوڑتے ہوئے اُٹھے۔ قتل بیگناہ میں اپنی ناتوان آواز ولب سے مزاحمت کرنی چاہی۔ مگر اس بگولے کے سامنے باسدیو اور دیوکی کے ذرات خاک کیا ٹھہر سکتے تھے۔ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کنس نے معصوم بچّہ کو اُٹھایا اور پھرا کر دے مارا بے زبان پتلی کا آناً فاناً میں دم نکل گیا۔ کنس کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی اور اندیشہ کا کام تمام کرچکا تو بچّہ کو غور سے دیکھا۔ معلوم ہوا لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ حیران ہوا کہ خبر تو لڑکے کی تھی۔ یہ آٹھواں بچّہ ہے۔ نجومی کہہ چکے ہیں آٹھویں حمل سے لڑکا ہوگا اور وہی تیرے تاج و تخت اور تیری جان کا لیوا ہے۔ پھر یہ کیا؟ یہ تو لڑکی ہے۔ دہوکا تو نہیں ہوا۔ فریب تو نہیں دیا گیا۔ ضرور دال میں کالا ہے۔ باسدیو نے اپنی برادری کے

کسی شخص کے ہاں اپنا لڑکا چھپایا ہے اور کسی دوسرے کی لڑکی کو اسکے جگہ لٹا دیا ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ اس کے آتش خانہ خیال میں پھر آگ بھڑکی حکم دیا تمام جادو بنسی (باسدیو کی برادری) کے لوگوں کے ہاں تلاش کرو جس کے نومولود بچہ دیکھو قتل کردو۔

یہ حکم قضا کے تیر کی طرح کنس کی کمان دہن سے نکلا۔ اور بے شمار معصوم گلے چھیدتا چلا گیا۔ یعنے اس دن ساری جادو قوم کے شیرخوار بچے تیغ ستم سے حلال ہو گئے اور متھرا میں کہرام مچ گیا۔

جسودھا کی گود

بے سروسامان گوالن کے جھونپڑہ میں ہندوستان کے ظاہر و باطن کا بادشاہ جھولے میں جھول رہا ہے۔ جسودھا کی غریبی پر نہ جانا۔ اس کے دل میں پریم و محبت کا دربار لگا ہوا ہے۔ اور یہ اس کی ملکہ ہے۔ یاد نہیں اُن شہنشاہ دو عالم کا قصہ جن کی خاطر زمین آسمان بنے جن کا نام محمد (صلعم) تھا۔ وہ بھی ایک غریب گوالن کی گود میں پلے تھے۔ جن کا نام حلیمہ تھا۔ اور جو بکریاں پال کر زندگی بسر کرتی تھیں۔ خدا دکھاتا ہے کہ محبت کے سمندر غریبی کے چشموں سے اُبلتے ہیں۔ عشق کے شعلے مفلسوں کے چھپروں سے شروع ہوتے ہیں۔ تاکہ دولت دنیا کے بہولے نشہ سے مخمور جانیں اور بے زری کی اس عزت کو پہچانیں جو خدا کے ہاں اس کی ہے۔

عاشق از روز ازل بے سروساماں افتاد۔ بچاری جسودھا کے پاس کیا تھا جس کو کہوں۔ اور خدا کے لاڈلے مہمان کے قیام خانہ کی تصویر دکھاؤں۔ ایک خیمہ تھا یا ایک جھونپڑا تھا جس کے اندر چکی تھی۔ چرخہ تھا۔ مٹی کے برتن تھے۔ گھاس کے بوریونکا فرش تھا۔ باہر گائے تھی ان کے بچھڑے بچھیاں اچھلتی پھرتی تھیں۔

پر اس قصر فقر کی صورت تھی جسمیں بادشاہ اقلیم وحدت کی چھوٹی سی مورت گمنام جسودہا ہی کی گود میں عیش کرتی تھی۔"

جسودہا اس راج کمار کو سینہ سے لگاتی - اور اپنی قسمت پر ہزاروں ناز دل ہی دل میں کرتی تھی - اُسے خبر نہ تھی کہ میں دنیا کے مشہور سپاہی - نامی تاجدار - ہردل عزیز پیشوائے دین کی دائی ہوں - اور اس کے قدموں کی برکت سے میرا نام قیامت تک زندہ رہیگا اس نے تو مظلوم دیوکی کا بے غرض محبت سے ساتھ دیا تھا - اس کو مال دنیا کی یا سدیو اور دیوکی جیسے قیدیوں سے اُمید نہ تھی - جسودہا نے اپنی ہریالی کونپل کو دوسرے کے پھول پر کسی لالچ سے قربان نہ کیا تھا - اور دنیا میں اولاد کو کوئی شخص بھی طمع پر نثار نہیں کیا کرتا - یہ کرشمہ جب نظر آتا ہے محبت ہی کا اکثر اس میں دخل ہوتا ہے - یہ محبت ہی تھی جس نے جسودہا کو اندھا کر دیا - اور اُس نے اپنی بیٹی ہلاک کرا کے دیوکی کے بیٹے کو بچایا - مگر محبت کا اندھا پن دل کی آنکھیں روشن کر دیتا ہے - چنانچہ خدا نے جسودہا کو دل کی آنکھ دی اور اُس کا رُتبہ دنیا کی جھوٹی دولت والیوں سے بڑھا دیا - سلام تجھ پر اے غریب گوالن کی گود ٹھنڈی کرنے والے - سلام تجھ پر اے گمناموں کے نام چمکا - چاند لگانیوالے اے وہ جو ایک مفلس دودھ والی کی آغوش میں امیروں کی پھولوں کی سیج سے زیادہ آرام میں پاؤں پھیلائے سوتا ہے تجھپر ہزاروں سلام

سُناوُنی

جسودہا کی گود راج کمار سے آباد ہوئی - رات گئی - سچائی کا سویرا نمودار ہوا جسودہا سمجھتی تھی کہ یہ بچہ نور کا پتلا ہے - اس کے گھر میں آتے ہی صبح کا نور نکل آیا - اپنے نئے مہمان کے چاؤ چوچلے میں لگی ہوئی تھی - دودھ بھی نہ بلویا تھا کہ متھرا سے ایک سناؤنی آئی - جس خبر کے سننے کا جسودہا کو یقین نہ تھا سورج نکلتے ہی کان میں پڑی کہ اسکی بیٹی کو کنس نے دیوکی کے بیٹے کے عوض مار ڈالا - وہ سمجھتی تھی نجومیوں نے کنس کو بیٹے کی

خبر دی ہے۔ جب وہ دیکھے گا کہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے تو چپ ہو جائیگا نجومیوں کی غلط بیانی پر غصہ کرے گا اور میری ایک دن کی معصومہ کو چھوڑ دے گا توقع انسان کو تکلیف دیا کرتی ہے۔ اگر جسودھا یہ توقع نہ کرتی تو اسکو اپنی لڑکی کے مارے جانیکا اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا دل پہلے سے اس غم کے لئے آمادہ اور تیار ہو جاتا لیکن کرشن جی نے سب سے پہلا سبق اپنی دائی کو دیا۔ بچے بنے ہوئے چپکے پڑے رہے۔ اور جسودھا کو بتا دیا کہ انسان کو ہر وقت دنیا سے بے توقع رہنا چاہیئے۔ جسودھا نے باوجود اتنی بڑی قربانی کے ایک بشری امید کا تسمہ لگا رکھا تھا۔ قدرت نے اسکو کاٹ ڈالا اور عورت جسودھا کو میدان عشق کا پورا مرد بنا دیا۔

جس وقت جسودھا نے سُنا کہ اُس کی بیٹی کنس کے ہاتھوں ایسی بے دردی سے ماری گئی تو وہ بے اختیار ہو گئی۔ اس نے کرشن کو چھاتی سے لگا کر دبوچ لیا۔ کرشن کے منہ پر اپنا منہ رکھدیا۔ اور زبان حال سے یہ کہنے لگی:

دیوکی کے پُتر! میری پتری مر گئی۔ باسدیو کے دل جانی! میری جان بے جان ہو گئی۔ سُنتا ہے؟ تیرے ماموں نے مجھ غریب کو لوٹ لیا میں نے سانچ کی آنچ پر اپنی دُلاری کو بھینٹ چڑھا دیا۔ کلیجہ کی کور کر خود کٹوا دیا آنکھ کی پتلی میں آپ ہی تنکا مار لیا،

میرے کنور اُٹھ، اور اپنی ستم رسیدہ دائی کا بدلہ اس پاپی سے لے جس نے میرے باغ کا ننا پھول توڑ لیا، دیکھ میری گائے اپنی بچھیا کو دودھ پلاتی ہے۔ اور وہ بچھیا بے دودھ پئے مر گئی جسکو مجھ کم نے جنا تھا۔ اُس جاہنار کو یہ خبر نہ ہوگی کہ اسکی قصائی ماں اسکو حلال کرنے بھیجتی ہے۔ وہ دنیا میں رہنے کو آئی تھی میں نے اسکو نہ رہنے دیا۔ اسکے دلمیں کچھ دیکھنے کے ارمان تھے میں نے کچھ نہ دیکھنے دیا۔ اُسکی ارمانوں بھری

خاک میں ملا دیا۔

اولاد والیوں سے پوچھنا۔ میرے دل کی آگ کی جلن وہ بتائینگی اور کہنا کہ جسودہا کی بیٹی قتل ہوگئی ہے۔ جسودہا اسکا کیونکر ماتم کرے جسودہا دوسرے کی ممتا کو پال رہی ہے۔ ایسا نہ ہو اپنی ممتا کے غم میں اس بچہ کی بدشگونی ہو جائے۔

دیوکی! تو کچھ خیال نہ کیجیو، جسودہا صبر کی بندی ہے۔ اس نے کلیجہ پر پتھر رکھ لیا۔ وہ ہنستی رہیگی اور دل کے رونے کو چھپائے گی۔ تو اپنے لال کا فکر نہ کر۔ میری لالڑی ٹوٹ گئی۔ ٹوٹ جانے دے۔ یہ گودکا ہیرا سلامت رہے، تو میں اپنے آنکھ کے موتی کو بھول جاؤنگی۔

باسدیو۔ آ میرے پتی (شوہر) نند کو سمجھا۔ وہ اپنی بچی کے فراق سے بے اختیار ہوا جاتا ہے۔ میں کلیجہ کو مسوسوں۔ تیرے بچہ کو تھاموں یا نند کو سنبھالوں۔

وہ چلا جان چلی، دونوں برابر کیسے اسکو تھاموں یا اسے پیر پڑوں کس کس کو

جسودہا کی گود حرب کی زندگی کی پہلی رتھ تھی جس کی رتھ بانی کرشن نے کی تھی وہ چپ تھے۔ اور بنے ہوئے غافل تھے۔ یا نا سمجھ بچے تھے۔ مگر قدرت نے انکا لکچر ان کا اپدیش، ان کا خطبہ، ان کی تقریر جسودہا کو اسی طرح سنا رہی تھی جس طرح بڑے ہوکر انہوں نے ارجن کو اسکا رتھ بان بنکر مہابھارت کے وقت وعظ سنایا تھا۔

قدرت کی خاموش اسپیچ نے جسودہا کا دل مطمئن کر دیا۔ جیسا کہ ارجن کا دل گرمایا گیا تھا۔ جسودہا کو اپنا فرض یاد آگیا۔ جیسے ارجن کو اس کا فرض یاد دلایا گیا تھا۔

خدا کے پیام کو ہمیشہ پہلے عورت نے مانا ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ حضرت موسیٰ کی پر مردوں سے پہلے ایمان لائی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اول مسلم حضرت محمد صلی اللہ علیہ

صلعم نے سب سے اوّل اپنے خاوند کا دین اسلام قبول کیا ؛
اسی طرح ہندوستان کے اس فلاسفر کے فلسفہ حیات و فرائض پر جس ہستی نے سب سے پیشتر سر جھکایا وہ بھی عورت تھی۔ اور اس غمگین کا نام جسودھا تھا ؛
جسودھا نے ہندوستان کی غریب رعایا کی اس محبت کو جو اپنے حاکموں سے رکھتی ہے قیامت تک کے لیئے مجسم بنا کر کھڑا کر دیا۔ جسودھا نے اپنی بیٹی کو چھُری کے تلے رکھدیا۔ اور دنیا والوں سے کہہ گئی کہ ہندوستان والے اپنے بادشاہ پر یوں اولاد نچھاور کیا کرتے ہیں۔ اسنے بتایا کہ رعایا پر اپنے محافظ حاکم کے بڑے بڑے حق ہیں اور جان و مال کی قربانی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اسی واسطے اس نے اپنی بیٹی یُوکی کے راج کنور پر فدا کردی ہے ؛
جسودھا نے اِس مثال میں یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستانی عورتیں بیکسوں اور مظلوموں کی حمایت میں ایسے کام کرسکتی ہیں جو دوسرے ملکوں کے مردوں سے بھی دشوار ہیں۔ زندہ باش نام جسودھا۔ پائندہ باش کام جسودھا۔ جے مہبو دھا کے پریم کی۔ جے ایثار و قربانی و وفاداری کی ؛

تیسری ہستی

اَوّلُ النّہار

دن کی شروعات

دودھ کے تالاب میں کرشن کا سفید کنول کھلا۔ بارہ گھنٹہ سورج نے بارہ گھنٹہ چاند نے سایہ ڈال ڈال کر اس کنول کو پالنا شروع کیا۔ جنگل کی صاف ہوا نے پنکھے جھلے۔ جمنا کے پاک پانی نے ہاتھ منہ دہلائے۔ اور اس طرح اس روشن دن کی پرورش ہونے لگی جسکو قدرت نے ہندوستان کی تاریکیاں اور ظلم کی شب دیجور دور کرنا

کرنے کے لیئے بہیجا تہا۔

وہ وقت بھی آیا کرشن جی نے طفلی کا پردہ اُٹھایا جسودہا کی گود سے نیچے اُتری بیٹھنا سیکھا۔ کھڑا ہونا سیکھا۔ چلنے پھرنے لگے۔ گوا لیئے سمجھے لڑکا ہوش میں آیا۔ ہاتف نے آوازدی یہ نئے ہوش کب تہا۔ عالم اسباب کی شکل بشر میں آیا تہا۔ اِس واسطے کچھ دن چپ چاپ پڑا رہا۔ ورنہ یہ ازلی ہوش وحواس کا خزانہ لیکر زمین پر اُترا تہا اسکو عمر کے ان تغیرات کی محتاجی نہ تہی جسکو تم بچپن جوانی بڑہاپا کہتے ہو۔

اب کرشن کنہیا دوڑتے تھے۔ اُچھلتے تھے۔ کودتے تھے۔ اور پڑوس کے گھروں میں گھُس جاتے تھے۔ وہاں جاکر جس چیز کو دیکھتے شوخی سے پھینک دیتے۔ پانی کے برتن پھوڑ ڈالتے۔ دودھ اوندہا دیتے دہی بکھیر دیتے۔ مکھن خراب کرتے۔ جی میں آتا تو بے خطر ہوکر مکھن دودھ جتنا کھایا جاتا کھا جاتے ایک دن ہو دو دن ہو تین دن ہو کرشن کنہیا کی یہ حرکتیں روز روز ہونے لگیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی شخص حرف شکایت زبان پر لاتا ہو۔ گوالیئے نقصان اُٹہاتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ کرشن غیب کی ایک ایسی طاقت ساتھ لائے تھے جس نے شروع سے انکی محبت انسانوں کے دلوں میں بھر دی تہی۔ اور خلقت کی طبیعتیں خود بخود ان کی طرف کہنچتی تہیں عورت مرد بچے بڈے کی قید نہ تہی ہر درجہ اور عمر کا آدمی کرشن سے پیار اور لگاؤ رکھتا تہا۔

دُنیا میں نوجوان لڑکیوں اور کرشن کی محبتوں کے افسانے مشہور ہیں یہ لڑکیاں گوپوں یعنے گوالیوں کی تھیں۔ گوپیاں نام اسی نسبت سے ہے۔ مگر کرشن جی کا تعلق فقط لڑکیوں سے مخصوص نہ تہا۔ گوکل کے سب باشندے ان کے شیفتہ وفریفتہ تھے قصے کہنے والوں نے صرف ایک حصہ کو لے لیا۔ اور کرشن کو بدنام کردیا حالانکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ کرشن جی کا گوکل کی جوان لڑکیوں سے تعلق تہا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ گوپوں (گوالیوں) نے

اسکو کیونکر گوارا کرلیا۔ حالانکہ وہ صحرائی بڑے باغیرت وحمیت تھے وہ کب گوارا کرسکتے تھے کہ متھرا کا ایک اجنبی آدمی ان کی لڑکیوں سے ناجائز تعلق رکھے پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرشن اور گوپیوں کا تعلق بالکل پاکبازانہ تھا۔ اور گوپوں کو کرشن پر ہر طرح اطمینان تھا ؛

کرشن جی کے اس عالم خردسالی سے معلوم ہوتا ہے جس کو دکھا رہا ہوں کہ انپر گوکل کے سب کے سب رہنے والے جان دیتے تھے۔ اور اس وقت جبکہ کرشن تین چار برس کے تھے تمام گوپ لوگوں کا کھلونہ بنے ہوئے تھے۔ مرد بھی ان کے عاشق تھے۔ عورتیں بھی بوڑہی ہوں یا جوان انپر جان دیتی تھیں۔ لڑکیاں اور لڑکے ایک دم کو کرشن سے الگ ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ یہی الفت تھی جو کرشن جی کی عمر کیساتھہ ساتھ بڑھ رہی تھی اور اتنی بڑہی کہ موجودہ نسلوں نے ان سے نفسانی نتیجے نکال لیئے ؛

جب کرشن کنہیا چار پانچ برس کے ہو گئے تو گوپ لڑکوں کے ساتھ گائیں چرانے لگے جنگل میں بھی ان کی شوخی قایم رہتی تھی۔ اس شوخی کے ساتھہ دلیری بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ خونی سانڈوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے خطرناک جانوروں پر حملہ کرکے اپنی جرأت کا ثبوت دیتے تھے۔ جسپر بہت سی حکایتیں بعید از قیاس مشہور ہیں مگر قیاس کو اور ہمارا کارہ عقلوں کو غیبی کرشموں میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں۔ اسواسطے ہر حکایت کو تسلیم کرنا چاہیئے ؛

بانسری

اسی طفلی اور گائیں چرانے کے زمانے میں کرشن جی نے بانسری بجانی سیکھی وہ اسوقت کے دستور کے موافق ناچتے بھی خوب تھے۔ اور آواز تو ان کی ایسی شیریں و دلکش تھی کہ جب وہ گانے کھڑے ہوتے تھے تو سننے والے بےحس و حرکت اور بیخود ہو جاتے تھے۔

ذرا سوچنا جس پہلے کو لڑائی کا سنکھ (بگل) بجاناتھا اور ہندوستان کی زمین پر ایک معرکہ عظیم کا نقشہ جمانا تھا قدرت نے خود بخود اُسکو ایک ایسے باجہ کی طرف متوجہ کیا جو ہر روحانی مثال میں آیا کرتا ہے ؛

مثنوی مولانا رومؒ کا پہلا بنیادی شعر جب فلسفہ کائنات کے بیان پر زبان کھولتا ہے تو اسی بانسری کو ذکر حقیقت کا مجاز بناتا ہے جو یہ ہے ؛

بشنو از نے چوں حکایت میکند وز جدائی ہا شکایت میکند

سُن تو (بانسری) سے کیا حکایت کرتی ہے اور جدائی کی شکایت کرتی ہے

اِس بانسری کے عجب راز تھے۔ اِس نئے کے کچھ اور ہی انداز تھے۔

شام نے مرلی بجائی کس طرح مچ گئی گھر گھر دُہائی کس طرح

ہر کی مرلی ہر کے اندر باجتی ہر کی ہے ہر سے رسائی کس طرح

گوکل سے بندرابن

خانہ بدوش قومیں ایک جگہ آباد نہیں رہا کرتیں۔ گوکل کے گوپ بھی خانہ بدوش تھے جنہیں سری کرشن پوشیدہ طور پر پل رہے تھے۔ یکایک ان گوپوں نے گوکل سے اپنا خیمہ اُکھاڑ لیے اور اِس چراگاہ سے سب مویشی لیکر بندرابن چلے گئے۔ جو گوکل سے چند کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور خوب ہرا بھرا جنگل تھا۔ جسکے تین طرف جمنا بہتی تھی۔

اِسی بندرابن میں سری کرشن جی کا بچپن ختم ہوا اور جوانی کے ایام شروع ہوئے ؛

یہاں آ کر سری کرشن کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ دن بھر گوپ لڑکوں کے ساتھ گائیں چراتے شام کو گھر آتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلتے اور بانسلی لیکر بیٹھ جاتے۔ اور خوب بجاتے۔ گوپ گوالے بھی چھوٹے بڑے۔ عورت مرد لڑکے لڑکیاں۔ رات کی بیکری میں

سری کرشن کے آس پاس جمع ہوتے۔ اور ان کی بانسری کے نغمے سنتے۔

سری کرشن اور ان کے بھائی بلرام نہایت حسین تھے۔ اور تمام گوپ فرقہ کے بچوں میں ان دونوں کی صورتیں الگ پہچانی جاتی تھیں۔ مگر گوپ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بچے جسودھا اور نند کے ہیں۔ یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ متھرا کے شہزادے ان میں پل رہے ہیں۔ اس راز کو صرف نند اور جسودھا ہی جانتے تھے۔

اس کے باوجود کہ گوپ سری کرشن اور بلرام کو اپنے قبیلہ کا سمجھتے تھے۔ ان پر سری کرشن کا بڑا اثر تھا۔ اور خود بخود ایسی حالت ہوگئی تھی کہ گوپوں کی لڑکیاں اور لڑکے جو ان کے ہم عمر تھے ان کی عزت اس طرح کرتے تھے گویا یہ دونوں ان کے سردار ہیں۔

اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ سری کرشن کا پالنے والا نند اور اسکی بیوی جسودھا اپنے فرقہ گوپ میں ذی عزت تھے۔ دوسری یہ کہ ان دونوں کرشن و بلرام کی شکلیں سب سے اچھی اور ممتاز تھیں۔ تیسری یہ کہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب قدرتاً بھی ان کا رعب جنگلی باشندوں پر پڑتا تھا۔ اور سری کرشن باوجود خورد سالی کے ان سب کے بڑے پیشوا ہوتے تھے۔ جس جگہ جا کر بیٹھتے سارے گوپ بھی وہاں جمع ہو جاتے۔ جو کام کرتے گوپ بھی اس میں حصہ لیتے جس طرف ان کی رغبت ہوتی گوپ بھی اُدھر ہی رغبت ظاہر کرتے۔

سری کرشن کی آواز بھی قیامت کی تھی۔ وہ بہت ہی اچھا گاتے تھے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ناچنا بھی خوب آتا تھا۔ ہم مسلمان ناچنے کے لفظ پر چونکتے ہونگے۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے سری کرشن کی عظمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ کیونکہ یہ رقص اُسوقت کے ہندوؤں کا قومی دستور تھا۔ اور ہر ذات کے ادنیٰ اعلیٰ امیر غریب لوگ ناچا کرتے تھے جیسے آجکل انگریز اور یورپ والے ادنیٰ آدمی سے

لیکر بادشاہ تک بیویوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ اور اس قومی عادت پر کوئی شخص اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

سری کرشن رات کی ان صحبتوں میں بانسلی بجاتے۔ گانا گاتے اور کبھی کبھی رقص بھی کرتے۔ اور ان کے ساتھ گوپ فرقہ کے لڑکے اور لڑکیاں بھی ناچتی گاتی تھیں۔ ان عام ہمنشینی کی مجلسوں نے بعض لوگوں کو جنہیں خوش اعتقاد ہندو زیادہ ہیں یہ قیاس کرنے کا موقع دیا کہ سری کرشن گوپ فرقہ کی جوان لڑکیوں یعنے گوپیوں سے ناجائز برتاؤ کرتے تھے اور ان کی یہ عمر ہر وقت کی زناکاریوں میں بسر ہوتی تھی۔

یہ قیاس جو بعد میں اصلیت اور واقعیت کے لباس میں مشہور ہو گیا سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس لئے نہیں کہ سری کرشن کو خواہ مخواہ الزامات سے بری کرنا میرا مقصود ہو۔ بلکہ اسواسطے کہ حالات کا تقاضا ان روایتوں کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ سری کرشن کی عمر اس زمانہ میں صرف بارہ برس کی تھی۔ بارہ سال کی عمر خواہ کیسا ہی تندرست بچہ ہو اس قابل ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ جوان عورتوں کے ساتھ مصروف زناکاری ہو سکے۔ اور یہ تمام معتبر ہندو کتابوں سے ثابت ہے کہ سری کرشن نے جب اپنے ظالم ماموں راجہ کنس کو قتل کیا ہے تو ان کی عمر بارہ سال کی تھی۔ سوا ایک روایت کے جس میں ان کی عمر سولہ برس کی لکھی ہے۔ اگر اس سولہ سال کی عمر ہی کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی گوپیوں سے حرام کاری ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ سولہ سال کی عمر میں کنس کو مارا ہے۔ اور یہ سب قصے عیاشی کے اس عمر سے پہلے کے ہیں۔

جو تصویر کنس کے مارنے کی میں نے اس کتاب میں دی ہے وہ اُن ہندوؤں سے حاصل ہوئی ہے جو عملاً بیباکی سے سری کرشن کے عاشقانہ اور عیاشانہ طرز عمل کو مانتے ہیں۔ تب بھی اس تصویر میں سری کرشن کو ایک طفل کی شکل میں دکھایا گیا ہے جب کنس کے بلا کر نیچے دقت وہ اتنے ذرا سے طفل معصوم تھے تو سابقہ عمر میں گوپیوں سے

زناکاری اُنہوں نے کیسے کی ؟

سب سے بڑا ثبوت سری کرشن کی پاکبازی کا یہ ہے کہ وہ ہر وقت گوپ مردوں اور عورتوں لڑکوں لڑکیوں میں گھرے رہتے تھے۔ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ ان کو کبھی کسی عورت سے تنہائی کا بھی موقع ملتا تھا۔ تو پھر ان کو حرام کاری کا وقت کہاں اور کہاں مل سکتا تھا گوپ فرقہ کی سکونت جنگل میں تھی۔ جہاں بڑے بڑے مکان اور عیبوں کے چھپانے کے لیئے درو دیوار نہ تھے۔ کھلے میدان میں سری کرشن کو علانیہ ہوس بازی کی اجازت کون دے سکتا تھا ؟

صحرائی اور جنگلی قومیں بڑی غیرت دار اور آبرو کی پاسداری کرنے والی ہوتی ہیں اگر وہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ سری کرشن کی ذرا بھی بدنگاہی دیکھتے تو کیونکر ممکن تھا کہ وہ ان کو یا ان کے پالنے والے نند و جسودھا کو زندہ چھوڑ دیتے۔ بخلاف اس کے وہ تو سب پروانوں کیطرح سری کرشن کے فریفتہ اور شیفتہ تھے ؟

سری کرشن کی جوانی اور عروج کے زمانہ میں ان کے بہت سے دشمن بھی تھے۔ ان دشمنوں میں ششوپال راجہ نے ایک دربار کی بحث میں جسکا ذکر آگے آئیگا سری کرشن پر ہر قسم کے عیب لگائے۔ مگر حرام کاری کا الزام اُس نے نہ لگایا اگر یہ بات سچ ہوتی تو مجمع عام میں ششوپال جیسے حریف کو زنا کا الزام بیان کرنے اور مجمع کو اسکے خلاف کر دینے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ مگر اس نے الزامات میں اس قسم کا ایک حرف بھی نہیں کہا حالانکہ وہ سری کرشن کا عزیز تھا۔ اور انکی تمام زندگی سے واقف تھا۔ اس وقت کے دلیر پکے پاکباز۔ اور اکثر بڑے بڑے زاہد عالم ہندو سری کرشن کے آگے سر جھکاتے اور انکو اوتار مانتے تھے۔ اگر سری کرشن کی زندگی میں یہ حرام کاریاں ہوتیں تو وہ نیک لوگ کبھی انکو اوتار تسلیم نہ کرتے۔ اور ان کے آگے سر نہ جھکاتے ؟

غرض صدہا ثبوت اس کے ہیں کہ سری کرشن کی عیاشی اور گوپیوں سے ناروا مفروضہ قصہ کا

قیاس بالکل جھوٹا غلط اور بہتان عظیم ہے۔ اور اس مرد خدا کی زندگی ان گنا ہوا سے سراسر پاک اور بے لوث تھی ؛

بیشک وہ گوپیوں کو گانا اور باجہ سُناتے تھے۔ بیشک وہ ان کے ہمراہ رقص کرتے تھے۔ بے شک ان کی طفلی کا زمانہ خوب ناگ لیوں میں بسر ہوتا تھا۔ مگر ان مجالس عیش میں صرف گوپیاں ہی نہیں اُن کے ماں باپ بھی شریک ہوتے تھے اُن کے لڑکے بھی شامل ہوتے تھے۔ اور یہ سب حالات ایسے تھے جنمیں اس وقت کے عام دستور تفریح اور زندہ مزاجی کے سوا کسی ناجائز فعل کو دخل نہ تھا ؛

پھر کون کہہ سکتا ہے اور کہاں سے کہہ سکتا ہے کہ سری کرشن جیسے پیشوائے دین نے (توبہ توبہ) حرام کاریاں کیں ؛

اے میرے بھائی مسلمانو تم ہرگز بعض جاہل ہندوؤں کی روایتوں پر کچھ خیال نہ کرنا کیونکہ تم پر تمہارے مذہب نے لازم کیا ہے کہ ہر دین کے ہادی کی عزت کرو۔ اور اُسکو ایسے جھوٹے الزاموں سے پاک سمجھو ؛

سری کرشن پر یہ سراسر بہتان ہیں۔ اور کوئی دلیل کوئی تاریخی شہادت کوئی پکا ثبوت اس کا موجود نہیں ہے کہ سری کرشن زناکار تھے۔ میں نے ہندو کتابوں کو خوب غور سے دیکھ لیا۔ کہیں بھی ان واقعات کا نشان نہیں ملتا۔ جو خود سری کرشن کے پجاری ان پر تھوپتے ہیں ؛

تم کہو گے کہ جب ان کے پیرو خود ایسا کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں ؛

میں جواب دوں گا کیا اسلام نے تمکو نہیں بتایا کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں پر بہتان لگائے۔ توریت میں ایک پیغمبر کی نسبت اُنہوں نے یہ بڑھا دیا ہے کہ پیغمبر نے اپنی لڑکیوں سے زنا کیا۔ مگر تم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اس تحریف کو ہرگز تسلیم نہ کرو۔ اور سب پیغمبروں کو پاک مانو

حضرت عیسیٰ کی نسبت اُنکی اُمّت نے یہ نہیں کہا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں لیکن تم
یا گیا کہ تم اسکو جھوٹا سمجھو۔ وہ خدا کے فرزند نہ تھے خدا اِس بہتان سے پاک ہے۔
اگر تم دوسروں کی روایت و عقیدہ پر عمل کرتے اور کہتے کہ جب وہ خود ایسا کہتے
ں تو ہم کیوں نہ کہیں تو بتاؤ تمہارے پاک ایمان کو کس قدر صدمہ پہنچتا۔ یاد رکھو ہر زمانہ میں
ر قوم میں خرابیاں پڑ گئیں ہیں۔ ہر عقیدہ میں اور ہر آسمانی کتاب میں لوگوں نے
ی فرضی تحریف کر دی ہے۔ اور کمی بیشی سے اُسکو خراب کیا ہے۔ جب ہی تو سب سے
ے اوتار اور سب سے بڑے پیغمبر یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے
ول بنا کر بھیجا جنھوں نے فرمایا کہ میں کوئی نیا دین لیکر نہیں آیا ہوں بلکہ پُرانے دین
ی خرابیوں کو دور کرنے اور اُس کے ماننے والوں کی اصلاح کے لیئے خدا نے
ھ کو رسول بنایا ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ توریت پر ایمان لاؤ۔ انجیل پر ایمان لاؤ۔ اور سب پیغمبروں
یمان لاؤ جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بعض پیغمبروں کا
م ہم نے بتا دئے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ مگر تم پر سب پیغمبروں اور مذاہب
ے پیشواؤں اور رہنماؤں کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اس توریت کی تصدیق کرتے ہیں جسمیں یہودیوں نے پیغمبروں کی زناکاری
ھدی ہے۔ ہم اس انجیل پر ایمان لاتے ہیں جسمیں خود نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو
دا کا بیٹا لکھدیا ہے۔ تو ہم کو ہندوستان کے سب سے بڑے ہادی کی بھی عزت کرنی
ہیئے اور جس طرح توریت کے لکھے ہوئے اور تحریف کردہ بیان زنا کو ہم جھوٹ
مجھتے ہیں۔ اور جس طرح انجیل کے غلط دعوے فرزندی خدا کو نہیں مانتے اسیطرح
لہیم کو ماننا چاہیئے کہ سری کرشن پر بھی زنا کے الزام سراسر بہتان ہیں۔ اور ایسے ہی
ہیں جیسے توریت و انجیل کے مذکورہ بالا خود ساختہ واقعات۔

ہم مسلمان توریت وانجیل کی صرف تصدیق کرتے ہیں۔ اُنپر عمل کرنے کا ہم کو حق نہیں ہے کیونکہ ہم کو ایک ایسی کتاب دیگئی ہے جو ہر تحریف اور خرابی سے پاک ہے جسمیں کوئی بات انسانی مداخلت کی نہیں ہے جسکی تعلیم عین عقل اور ضرورت زمانہ کے مواقق ہے اور وہ قرآن ہے۔ قرآن نے کہا ہو کہ میرے آنیکے بعد توریت انجیل اور سب آسمانی کتابوں کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں اب سارے جہان کو مجھپر عمل کرنا چاہئے پس ہم قرآن کے سامنے سر جُھکاتے ہیں۔ اور اُسکو تمام دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں۔ دنیا میں ہندوستان بھی ہے۔ اسکو بھی قرآن پر عمل کرنے اور اس پر چلنے کی ضرورت ہے۔ جو سری کرشن جی اور سری رامچندر جی کی تعلیم کے موافق ہے جسمیں آسمانی کتاب وید کی طرح توحید کی تلقین ہے ؛

قرآن نے سب پیغمبروں کو انسانی الزاموں سے پاک کیا۔ لہذا معتقدان قرآن کا فرض ہو کہ ہندوستانی پیشوایان دین کو بھی آدمیوں کے بہتانوں سے پاک کریں اور ان کے ادب واحترام کو اپنے دلمیں جگہ دیں ؛

اِس سے ہم ہندو نہیں ہوجائینگے۔ کیونکہ توریت کی تصدیق و تعریف کر سے ہم یہودی نہیں ہوئے۔ اور انجیل کی توصیف سے عیسائی نہیں بنگئے مسلمان رہے اور مسلمان رہیں گے۔ اس عام تصدیق اور عام محبت وار شایع کرنے ہی کا نام تو اسلام ہے ؛

لہذا آؤ اور سری کرشن جی کے اوپر سے تمام جھوٹے بہتانوں کو دور کرو اور دور سمجھ کے اُنکو اپنے دل کی عزت و محبت کا پیام دو ؛

خوش اعتقاد ہندو

بے عقلی سے سری کرشن کی نسبت ایسی ایسی مہمل باتیں کہتے ہیں جن کو ہیں اس کو

درج کرنا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں ٭

متھرا- گوکل- بندرابن جہاں سری کرشن کی پیدائش- پرورش- عروج کی یادگاریں ہیں
ہر سال کروروں ہندو ان مقامات کی زیارت کرنے آتے ہیں- میں بھی ان کو دیکھنے کئی مرتبہ
گیا ہوں- وہاں پجاری اور پنڈوں نے اپنی کمائی کے لیئے ایسی ایسی روایتیں بنا رکھی
ہیں جنکو سُنکر عورتیں قدرتاً بدچلنی کی طرف مائل ہوجاتی ہوں گی اور جوان مرد بھی بداختیاً
اس نفس کو دل میں موجزن پاتے ہونگے- کیونکہ شائستہ نیک چلن آدمی جب ان
مسائل اور خواہش ناپاک کو باضابطہ تحریک دینے والے حالات و واقعات کو
سنتا ہے تو فطرتی تقاضے سے خود بخود اُسپر بُرا اثر ہوتا ہے- یا تو اُسکو تکلیف ہوتی
ہے اور ان روایتوں سے وہ متاسف ہوتا ہے اور یا اس مرکز ہدایت مقام کی
حاضری اسکو یہ فیض پہنچاتی ہے کہ ان جھوٹی کہانیوں کی بدولت اُس میں بھی نفسانی
جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں اور وہ بھی آوارہ مزاج ہوجاتا ہے ٭

راس لیلا

ہر سال جب کرشن جی کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو ہندوستان کے شہر شہر
قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں میں راس لیلا کے نام سے ناچ رنگ ہوتے ہیں- اور ان میں
بعض پیشہ ور آوارہ خوبصورت لڑکے ان جھوٹی اور حیا سوز روایتوں کی نقل کرتے ہیں
جو سری کرشن پر بطور بہتان کے لگائی گئی ہیں- اور ہندو ان حرام کار لونڈوں کو اپنے
ایک اوتار کی بے حرمتی کے صلہ میں ہزاروں روپیہ دیتے ہیں ٭

مقصد کتاب کے خلاف ہوگا کہ میں حالات زندگی چھوڑ کر نصیحت نامہ لکھنے لگوں
اس واسطے زیادہ تفصیل سے لکھنے اور ہندوؤں کو وعظ سُنانے کی ضرورت نہیں ہے
کیونکہ وہ خود اصلاح کرتے جاتے ہیں ٭

میں نے تو مسلمانوں کو سمجھانے اور اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے یہ تفصیل لکھی ہے تاکہ وہ جانیں کہ ہندوؤں کے یہ سب خرافاتی افعال ذاتی اور خود تراشیدہ ہیں سری کرشن کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ ان تمام خرافات سے پاک تھے۔ ان کی شان ان بازاری نظر بازیوں اور نفس پرستیوں سے بہت اعلیٰ تھی ہے ہو خدا کے اس پاک بندہ کی جس کو خود اُسکی امت نے بدنام کر رکھا ہے۔

رادھاجی

ان ہی گوپیوں کے قصہ عشق بازی میں رادھاجی نامی ایک گوپی کے بے شمار افسانے مشہور ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ سری کرشن رادھا کو اور گوپیوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ اور رادھا ان کی مخصوص معشوقہ تھیں۔ سری کرشن ان کے خیال میں غلطاں پیچاں رہتے۔ اور یہ کرشن کے عشق میں بے خود و سرشار رہتی تھیں۔

زبانوں پر۔ اس عشق بازی کے اس کثرت سے قصے چڑھے ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف کچھ کہنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ صرف زبانی کہانیوں پر بس نہیں ہے۔ بُت خانوں میں مورتیں بنی ہوئی ہیں جن میں رادھا اور کرشن کے عشق کو طرح طرح سے دکھایا ہے بُت خانے ہی نئے نہیں۔ بہت قدیمی اور پُرانے زمانہ کے مندروں میں ایسی تصاویر پتھروں پر کھدی ہوئی دستیاب ہوتی ہیں۔

قدیمی کتابوں میں قلمی تصاویر کو تلاش کیا جائے تو وہاں بھی رادھا کرشن کے عشق کے مجسم دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اب تو چھاپہ خانہ کی بدولت کروروں۔ تصویریں اس عاشقی معشوقی کی شائع ہوتی ہیں۔ اور ہندو ان کو خرید خرید کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کی رغبت عام اور پسندیدگی خاص کو دیکھ کر یورپ کے سوداگر کپڑے کے تھانوں پر۔ آرائش کے سامان پر۔ رادھا کرشن اور گوپیوں کی رنگین تصویریں چھپوا

چپکا کر بیچتے ہیں۔ اور رادہا کرشن کے جوتے عشق کی بدولت امت کرشن سے ٹکے وصول کرتے ہیں۔

میں نے بھی اس کتاب میں خاص تلاش سے رادہا اور کرشن کی کئی تصویریں دی ہیں۔ مگر جو عبارتیں ان مورتوں پر لکھی ہوئی تھیں انکو کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ میرے عقیدہ کے بالکل خلاف تھیں۔ اور وہ الفاظ لکھدیئے جو میری خیال میں درست اور صحیح تھے۔

عشق بازی کی حقیقت

میں اس سے انکار نہیں کرونگا کہ سری کرشن عاشق مزاج نہ تھے۔ میرا ایمان ہے وہ بہت اچھے عشق باز تھے۔ مگر کیسے عشق باز؟ پہلے اسکو ہی تو سمجھنا چاہیئے۔

سری کرشن مظہر عشق تھے۔ وہ عشق کے پاک جذبہ کی ایک مورتی بنکر دُنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا عشق ہوس پرست آدمیوں کی عاشق مزاجی سے جدا الگ تہا۔ اُن کا عشق وہ تہا جسکو حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یہ کہکر ذکر کیا ہے کہ جو عشق گیہوں کھانے اور اسکی غذائیت کے شہوانی اثروں سے پیدا ہوتا ہے حقیقی ہے نہ مجازی یعنے جو عشق غذا کی مادی قوتوں سے آدمی میں جوش مارتا ہے وہ عشق نہیں ہے۔ جائز محبت نہیں ہے۔ بلکہ نفسانی ہے۔ شہوانی ہے۔

اصلی عشق کچھ اور چیز ہے۔ حقیقی عشق جسکی سیڑہی مجاز ہے۔ جُدا گانہ شے ہے لوگوں نے بشری غلط فہمیوں سے خدا والوں کی عشق بازیوں کو اپنی گندی اور نفسانی عاشق مزاجی کی آنکھوں سے دیکہا ہے۔ اور کائنات کو بے حیائی اور بے غیرتی سے لبریز کر دیا ہے۔

شکسپیر نے سچ کہا تہا نہ عشق کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے نہ خدا کی ماہیت، لہذا خدا محبت ہے۔ اور محبت خدا۔

عشق ایک کیفیت ہے جس سے دنیا کی کوئی مخلوق خالی نہیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہی کیفیت عشق ہر موجودہ و محسوس ہستی کا آئینہ ہے۔ یہ کیفیت نہ ہو تو کوئی چیز نمود کی شکل میں دکھائی نہ دے ؛

انسان ہی نہیں حیوان۔ درخت۔ گھاس۔ پانی۔ پتھر۔ ہوا۔ بجلی۔ اور تمام نظر نہ آنے والی طاقتیں زنجیر عشق کی اسیر ہیں ؛

انسان نے عشق کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے میں طرح طرح کی کوششیں کی ہیں کبھی اس نے اس تہ کو پالیا۔ کبھی وہ اپنی خاکی سرشت کی بدولت گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ کوچہ ہمیشہ اس کے لیئے دشوار اور مشکل رہا۔ آدمی اپنی فطرتی اور قدرتی خواہشوں کی ان میں لذت بھی پاتا ہے اور تکلیف بھی۔ اس کا دماغ سوچنے والا بنایا گیا ہے۔ وہ گرد و پیش کے حالات اور اپنے اوپر گزرنے والے واقعات سے خدا کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس سے محبت کرنی چاہتا ہے بعض اوقات اس کا دل حالات کی تکلیف سے گھبرا جاتا ہے تو وہ خدا سے بیزار ہونے لگتا ہے بلکہ ان دونوں حالتوں میں اس کا ذہن عشق کے لفظ سے مدد مانگتا ہے لیکن یہ کبھی تو اسکو اصلی صورت میں مل جاتا ہے اور کبھی دامن بچا کر ہٹ جاتا ہے اور آدمی اپنے مفروضہ ذاتی بنائے ہوئے خیالی عشق کے دریا میں غوطے کھاتا رہ جاتا ہے ؛

خدا تعالیٰ نے ہر پیغمبر اور ہر قوم کے ہادی میں عشق کی ایک شان رکھی تھی۔ اس شان کی مختلف حالتیں اور صورتیں ہوتی تھیں۔ حضرت آدمؑ میں وہ عشق نسل بڑھانے اور زمین کو آباد کرنے کی کیفیت لیکر نمودار ہوا تھا۔ حضرت نوحؑ میں اس عشق نے قہاری شان اختیار کی تھی۔ عشق کو گوارا نہ ہوا کہ خدا کے بندے غیر خدا کو پوجیں اسلیئے اس نے موج ماری اور تمام اغیار پرست آدمیوں کو طوفان میں غرق کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ میں اسکی صفت کچھ اور تھی۔ ان کو خلیل اللہ کا لقب اسی اعتبار سے ملا تھا کہ

صفت عشق کے ہر توہ سے آدمیوں میں اتحاد و ارتباط پیدا کریں۔ حضرت موسیٰؑ
ﷲ بنائے گئے تھے انکیں باسم کلیم شان عشق نے ظہور کیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس
ہی اور راز مخفی کو روح اللہ کے لباس میں نمودار کیا تھا۔

خری اوتار و پیغمبر۔ تمام دنیا کے ہادی حضرت محمد رسول اللہؐ میں یہ عشق اپنی تمام
دں کل حصوں اور جملہ شانوں سے جمع ہوا تھا۔ اُنہوں نے اِس کیفیت محبت
ہر حصہ سے کام لیا۔ اور دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ بصورت مدبری بھی انمیں وہ اعلیٰ تھا
رت جنگ بازی بھی اس عشق سے اُنہوں نے سب سے بہتر کام لیا۔ باہمی محبت
اصول انسانی مساوات کا عمل برتر شان سے اُن میں اسی واسطے تھا کہ یہ بھی عشق
ب حصہ ہے۔ خانہ داری اور معیشت میں اُنہوں نے اِسی عشقیہ قوت کی بدولت
ن اور سہل طریقے برت کر دکھائے جس سے ان کا عالمگیر رسول ہونا ثابت ہوا
کسی مذہب کے فلسفہ بود و باش میں باعتبار عمل کے اِس قدر کشادگی اور سہولت
جو دنیا کی ہر قوم کے مزاج کو موافق ہو۔

ری کرشن بھی ہندوستان کے ہادی تھے۔ اُن کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک بڑی
یا قوم کی رہبری پر مامور کیا تھا۔ پھر وہ دولت عشق سے کیوں محروم رہتے۔
ری کرشن ہندوستان کے سب اوتاروں اور برگزیدہ آدمیوں سے زیادہ
مختلف کیفیات اپنے اندر لائے تھے۔

دوستان میں جس قدر اوتار اور رہنما گزرے ہیں اُن سب میں سری کرشن باعتبار
ہر دو ناگوں ممتاز تھے۔ ان کی عمر کا پہلا حصہ مظہر حسن و عشق تھا۔ درمیانی دور رزم
کمل آئنہ تھا۔ آخری وقت محویت فنایت دنیا اور تعلقات دنیا سے بیخبری کا تھا
کرشن بیتی کے دوسرے حصہ میں خدا نے چاہا۔ حیات کرشن کے ہر حصہ پر الگ الگ
ث کیجائیگی۔ اسوقت تو سرسری اشارے کر دیے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس مختصر سی تشریح کے

مسلمانوں کی عام غلط فہمی دور نہ ہو سکتی

رادھا جی میرے خیال میں

کوئی عورت نہ تھیں۔ جیسا کہ عام طور پر ان کو گوپیوں میں تصور کیا جاتا ہے۔ سری کرشن جی کے جذبۂ عشق کا صفاتی نام ہے۔ چونکہ ہندو جذبات و صفات بنایا کرتے تھے اسواسطے اُنھوں نے کیف عشق کا جس کے منظر سری کرشن تھے را نام رکھدیا۔ اور اسکی مورت بھی بنا دی ؎

میرا خیال بے دلیل نہیں ہے بے اصل نہیں ہے۔ بے وجہ نہیں ہے۔ میں اس خیال کی تائید میں جو ثبوت دینا چاہتا ہوں وہ کوئی باریک منطقیانہ یا فلسفیانہ با نہیں ہے جسکو موٹی عقلیں سُلجھا کر سمجھ نہ سکیں۔ بلکہ وہ بالکل عام فہم ہے بچہ بھی سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہندوں نے قدیم زمانہ میں صفات خدا کی مورتیں نہیں۔ اور ان ہی سے وہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں بندوں کو سمجھایا کرتے تھے۔ مثلاً بنایا جس کے چار ہاتھ ہیں۔ ایک ہاتھ میں اناج کا خوشہ۔ ایک میں کپڑا۔ ایک میں ایک میں کتاب۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کی ذات ایک ہے۔ وہی رو ہے وہی کپڑا وہی ہلاک کرتا ہے۔ اور وہی ہر شے کا عالم ہے۔ گویا رزاق۔ قہ وغیرہ اسمائے صفاتی کی تصویر جاہلوں کو دکھا دی جاتی تھی۔ پہلے پہلے تو وہ ذریعہ اور ان مورتوں سے خدا کی قدرتوں کا اور نعمتوں کا علم ہوتا تھا۔ اسکے بعد رفتہ لوگوں نے ان ہی مثالی مورتوں اور بتوں کو پوجنا شروع کر دیا جسکی اصلاح خدا نے اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ کو بھیجا ؎

مسلمان پرانے مندروں میں جا کر غور سے سب بتوں کو دیکھیں تو ان کو ہو جائے گا کہ میرا یہ کہنا درست ہے یا غلط ؎

رام لیلا کے جلوس میں دیکھا ہوگا۔ راون کی صورت جو بنائی جاتی ہے اُس کے
شمار ہاتھ ہوتے ہیں اور کئی منہ۔ اور تالو کے اوپر ایک منہ گدہے کا ہوتا ہے۔ اسکا
سبب یہ ہے کہ راون کو خدا نے ہر قسم کی قوت دی تھی۔ یعنے ملک گیری اور حکومت کرنیکی
اس کے اسباب کے ہزاروں ہاتھ اُسکو ملے تھے۔ مگر اسپر بھی وہ منافق تھا۔ ایسا منافق کا
منہ ہوتا ہے۔ اور منافق کے بہت سے منہ ہوتے ہیں۔ ایک مُنہ سے وہ فریب
دیتا ہے اور دوسرے مُنہ سے خوشامد کرتا ہے۔ تیسرے سے ظلم کے حکم صادر کرتا ہے۔
یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے دماغ میں آخرت کی دوراندیشی نہیں ہوتی وہ انجام
کے خیال سے بے خبر رہتا ہے ؛
راون کے تالو میں گدہے کا منہ یہی ثابت کرتا ہے کہ اس کے دماغ عقل گدہے کی
تھی۔ گو ہر قسم کی قوت اُسکو ملی تھی مگر انسانی عقل کے جوہر سے وہ محروم تھا۔
اسی طرح ہندوں اور اُن کے بت خانوں کے جس حصہ پر غور کرو تو کچھ نہ کچھ اسکی
حقیقت معلوم ہو جائے گی ؛
رادہاجی کی صورت اور اُن کے قصوں کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ عالم ہندوں نے
شری کرشن کے جذبہ عشق کو الفاظ او رجسم میں سمجھائیں تو اُنہوں نے اس کیفیت کا
نام رادہا رکھا۔ اور اسکی صورت بنا کر دکھادی جیسے کہ اُنہوں نے علم کی صورت ہاتھی کی
شکل میں بنائی اور اُسکو گنیش جی کہا۔ کیونکہ ہاتھی بڑا سمجھدار اور دانشمند جانور ہے۔ علم کی
تعریف اسی کی صورت میں ادا ہونی مناسب تھی ؛
اس کتاب میں رادہاجی کی تصویریں میں نے دی ہیں۔ یہ تصاویر بھی پُرانے
زمانہ کے ہندوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ میرا یہ دعویٰ
بالکل صحیح ہے کہ رادہاجی کوئی عورت نہ تھیں۔ بلکہ جذبہ عشق کی محض ایک مثال تھیں۔
کیونکہ ان تصویروں میں شری کرشن کو بڑی عمر کا دکھایا گیا ہے۔ ایک تصویر سے تو

سری کرشن کی عمر پچاس برس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے جن لوگوں نے اُن انگریزی بزرگوں
کی تصویریں دیکھی ہیں جو ڈاڑہی مونچھ منڈاتے ہیں۔ وہ فوراً کہدینگے کہ سری کرشن کے
استغراق والی تصویر ساٹھہ برس کے بوڑھے کی ہے۔ میں نے اِس تصویر پر لکھدیا ہے
سری کرشن کا استغراق اصل میں اسپر لکھا تھا۔ سری کرشن رادہا کی
خیال میں اگر رادہا کوئی عورت یا روایت عام کے مطابق گوپی ہوتیں تو سری کرشن جی
کو طفل یا نوعمر جوان دکھایا جاتا۔ کیونکہ گوپیوں کے اختلاط کے زمانہ میں سری کرشن
بارہ سال کے تھے۔ مگر ان تصویروں میں وہ بوڑھے یا ادھیڑ نظر آتے ہیں۔ اور اسکا تمام
ہندو کتابیں تسلیم کرتی ہیں۔ کہ سری کرشن نے بندرابن چھوڑنے کے بعد پھر گوپیوں سے کوئی
تعلق اور واسطہ نہ رکھا۔ راجہ کنس کے مارے جانے کے بعد گوپ اور گوپیاں چاہتی تہیں
کہ سری کرشن پھر ان سے پہلا سا میل ملاپ قایم کریں۔ مگر سری کرشن نے صاف جواب
دیدیا اور فرمایا کہ اب تم مجھ سے گذشتہ تعلقات کی اُمید قطع کردو۔

پس اگر رادہا جی واقعی گوپیوں میں کوئی عورت ہوتیں تو تصویروں میں سری کرشن کی
صورت نوعمر دکھائی جاتی۔ کیونکہ اِس عمر طفلی کے بعد تو پھر اُنہوں نے کسی گوپی یا گوپ سے
واسطہ ہی نہ رکھا تھا۔ مگر یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ سری کرشن بڑہاپے کے زمانہ میں ہیں
پھر بھلا بڑہاپے اور پوری جوانی کے زمانہ میں گوپیاں کہاں سے آگئیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ تصویریں بعد کی بنی ہوئی ہیں جیسی چاہیں بنا دیں انکا
اعتبار ہی کیا۔ تو میں جواب دونگا کہ ان ہی تصاویر پر انحصار نہیں ہے۔ بندرابن اور
گوپیوں کے وقت کی جس قدر مورتیں صحیح سمجھی جاتی ہیں اُن سب میں سری کرشن کی
عمر طفلی اور نوعمری کی دکھائی گئی ہے جو بین ثبوت اِسکا ہے کہ ناروا عشق بازی کے افسانے
سراسر غلط۔ اور رادہا جی کا مخصوص عشق کرشن جی کی عمر کے بالکل منافی ہے۔

ممکن ہے کہ رادہا نامی کوئی گوپی ہو۔ اور ممکن ہے کہ سری کرشن بندرابن کی صحرا میں

اور گوپیوں کے ساتھ کھیلتے وقت رادھا سے زیادہ مخاطب ہوتے ہوں۔ مگر یہ بالکل غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ رادھا کرشن کی ناجائز معشوقہ تھیں کیونکہ اور جس قدر دلیلیں اس خیال کے خلاف لکھی گئی ہیں ان سے خود بخود اسکی تکذیب اور تردید ہوتی ہے ؛

یہ ممکن ہیں نے اس واسطے لکھا کہ رادھا جی کا چرچہ از حد عالمگیر ہے۔ اور لوگوں نے فلسفیانہ استعارہ کو اصل سمجھ رکھا ہے۔ ان کی خاطر سے میں نے لکھدیا کہ رادھا نام گوپی کا ہونا غیر ممکن نہیں۔ لیکن میری تحقیق اور عقیدہ تو یہی ہے کہ رادھا سری کرشن کی صفت عشق کا نام ہے۔ جو اُن کی پیدایش سے لیکر وفات تک ان کے وجود محسوس کے ساتھ رہی ؛

اَب میں بحث چھوڑ کر پھر اصل واقعات کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔ امید ہے کہ منصف مزاج اور سمجھدار مسلمان میری اس مختصر تشریح سے غلط بہتانوں کو دل سے نکال ڈالیں گے ؛

چوتھی بیتی

شرق النور

اُجالے کی اُٹھان

بندرابن کے جنگل میں منگل ہو رہا تھا۔ سری کرشن اور بلرام کی خوبصورتی اور بہادری کے غلغلے گھر گھر مچے ہوئے تھے۔ بچہ بچہ کی زبان پر کرشن کنہیا کا شام سندر نام اور من موہن کام جاری تھا۔ کہ اُڑتے اُڑتے یہ خبر متھرا بھی پہنچی۔ چند میل کا فاصلہ ہی کیا ہوتا ہے جو ایسی دھوان دھار خبر چھپی رہتی پہلے متھرا کے عوام نے سُنا کہ بندرابن میں

اس قسم کے دو عجیب لڑکے ہیں۔ اور انہوں نے از خود قیاس دوڑائے کہ ہوں نہ ہوں یہ لڑکے جادو نسل کے ہوں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ کنس کے بھانجے ہوں۔ دیوکی اور واسدیو نے گوالیوں میں پوشیدہ کر دیا ہو ٭

خلقت کی آواز خدا کا نقارہ اول سے ثابت ہوتی آتی ہے۔ غلط روایتوں اور مہمل افواہوں کی تہ میں ایک حقیقت اور اصلیت ہمیشہ ہوا کرتی ہے۔ عوام کے ان چرچوں نے خواص اور دربار رس لوگوں کو بھی چوکنا کر دیا۔ ان کے آپس میں بھی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا سب غلط ہے۔ بازار کے جاہل اوہام پرست ہوتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنا لینا ان کا شیوہ ہے۔ انہوں نے کنس کی احتیاطوں اور خونریزیوں سے بدل ہو کر یہ خبر تصنیف کی ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتے بیٹھے بیٹھے افواہوں کے گولے لڑھکاتے ہیں بھلا دیوکی اور واسدیو کی یہ مجال تھی جو وہ کنس جیسے شکی اور سخت مزاج راجہ کے مقابلہ میں فریب کر سکتے۔ لڑکوں کو پوشیدہ کرنا آسان نہ تھا۔ یہ تو کبھی منچلے گوپ نے اپنی لڑکوں کو سپاہ گری کی تعلیم دلائی ہوگی۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ روکھ۔ اندھوں میں کانا راجہ آپ سے آپ ہو جاتا ہے۔ جنگلی بے تہذیب آدمیوں میں ایک دو شخص شائستہ ہو جائیں تو خواہ مخواہ ہر ایک کی نظر پڑنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو گوپوں میں یہ دو لڑکے مشہور ہو گئے۔ اور بازاریوں نے دھوم مچا دی کہ دیوکی کے بچے ہیں ٭

کوئی کہتا نہیں صاحب خبر بالکل سچ ہے۔ گوپوں جیسے وحشی اور صحرائی لوگوں کو ہزار تعلیم و تربیت دی جائے یہ قابلیت نہیں آسکتی جو ان دو لڑکوں کے بارہ میں مشہور ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی گوپ نے اپنے لڑکوں کو تعلیم و تربیت سے ایسا لایق بنا دیا تو صورت شکل راجہ زادوں کی کہاں سے آگئی۔ سنا تو یہ ہے کہ ان دونوں کی صورتیں گوپوں سے بالکل الگ ہیں۔ اور دونوں چاند کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں ٭

قصہ مختصر درباری امراء میں گشت لگاتے لگاتے یہ خبر راجہ کنس کے کان میں بھی

پہنچی۔ قضا سر پر کھیل رہی تھی۔ اُسنے بھی یقین نہ کیا۔ اور پبلک کی گستاخی پر محمول کر کے پیچ وتاب کھانے لگا۔ کہ لوگ دیوکی اور واسدیو سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس قسم کی افواہیں دماغ سے اُتارتے ہیں مگر تجربہ کار امیروں نے صلاح دی۔ دشمن کو حقیر سمجھنا بے عقلی ہے آگ کا تنکا بھی بڑا ہوتا ہے۔ خیر غلط سہی۔ مگر آپ کا فرض یہ ہے کہ حالات دریافت فرمایئے سچ جھوٹ پرکھیئے۔ تحقیق کیجئے ثابت ہوجائے کہ یہ دونوں آپ کے بھانجے ہیں تو فتنہ مٹا دینا دشوار نہیں وہیں جنگل میں کام تمام کردیا جائیگا۔ ورنہ دو جی دار اور بہادر پہلوان ہاتھ آئیں گے۔ گوپیوں کے ان لڑکوں کو شریک سپاہ کو لیا جائے گا۔ اور انعام ہنرمندی کا فرض ادا ہوگا۔

کنس نے کہا جنگل میں مارڈالنا مناسب نہیں ممکن ہے تحقیق کرنے والوں کو غلط فہمی ہوئی ہو جس طرح عوام نے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور اس طرح رعایا کے دو آدمی بیگناہ مارڈالے جائیں۔

درباریوں نے جواب دیا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو یہاں بلاکر دیکھا جائے اور اَن داتا خود اپنی ذات سے اسکی تحقیق کریں۔

کنس بولا۔ ہاں میں یہی چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ سے دیکھوں مجھ سے زیادہ دیوکی کی اولاد کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔

کہا گیا تو آپ شکار کے بہانہ سے خود بندرابن تشریف لے چلئے۔ اور ان لڑکوں کو ملاحظہ فرمالیجئے۔

اسپر چند امیر بولے یہ مہاراج کی شان کے خلاف ہے۔ کہ جنگلی آدمیوں میں خود تشریف لے جائیں۔ یہی بہتر ہے کہ کسی بہانہ سے اُن کو یہاں بُلا لیا جائے۔

اتفاق سے متھرا میں کُشتی کے دنگل کا زمانہ قریب تھا جسمیں دور دور کے پہلوان آتے تھے اور کشتیاں لڑتے تھے۔ راجہ اور شہر کی تمام خلقت اِس دنگل میں شریک ہوتی

تہی۔ اور کشتی جیتنے والوں کو انعام اکرام دیئے جاتے تھے۔

کنس نے کہا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ ان لڑکوں کو دنگل دیکھنے کی دعوت اور پہلوانی کے ہنر دکہانے کا بلاوا دینا چاہیئے۔ اگر وہ قبول کریں تو فوج سے دو خونخوار زبردست پہلوان مقابلہ میں جائیں۔ اور چھوکروں کا کام تمام کردیں۔

تجویز قرار پائی تو اکرور نامی ایک امیر پیام رسانی پر مامور ہوا۔ اور بندابن میں نند اور جسودہا سے راجہ کنس کا یہ پیام جاکر کہا۔ نند اور جسودہا نے کنس کا بلاوا سنا وہ لرز گئے۔ اُن کو اندیشہ ہوا کہ راجہ کو شاید خبر ہوگئی ہے کہ کرشن اور بلرام اُس کے بہانجے ہیں۔ اب خیر نہیں۔ دیکہیئے ان بیکس شہزادوں پر کیا افتاد پڑے۔ اور ہم دونوں ان کے پرورش کرنے کے جرم میں کیا سزائیں پائیں۔

مگر حکم حاکم مرگ مفاجات۔ مجبوراً راضی ہوگئے۔ اور متہرا آنے کا وعدہ کرلیا۔ کرشن اور بلرام نے سُنا کہ اُن کو متہرا بلایا گیا ہے تو وہ بہی بہت خوش ہوئے۔ انکی خوشی تیاری سے ثابت ہوتی تہی جس میں وہ مصروف تھے۔ پہلے وہ ایک دہوبی کے پاس گئے اور اُس سے کپڑے مانگے۔ یہ دہوبی راجہ کنس کا تہا۔ ان شہزادوں نے ایسی شدت سے تقاضا کپڑوں کے لیئے کیا کہ دہوبی برداشت نہ کرسکا۔ اور ان کے ساتہہ گستاخی سے پیش آیا۔ دہوبی کی خودسری کو دیکھ کر کرشن جی نے پہلی بسم اللہ اُسی سے شروع کی۔ اور ایک ہی ضرب تیغ میں اس کمبخت گستاخ کا کام تمام کردیا۔

کرشن جی اور بلرام متہرا نہیں جاتے تھے بلکہ موت کے مُنہ میں جا رہے تھے۔ پھر انکا خوش ہونا کس وجہ سے تہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو وہ بسبب خوردسالی راجہ کنس کی نیت سے آگاہ نہ تھے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے لیئے بلاتا ہے۔ اور یا ان کو کشف باطن سے معلوم تہا کہ کنس کی ہلاکت میرے ہاتھوں مقدر ہے اسواسطے ان کو خوشی تہی کہ ظالم کا وقت قریب آیا۔ ہندو کتابوں سے یہ بہی معلوم ہوتا ہے کہ اکرور نامی امیر

پتا کو کنس نے بندرابن بھیجا تھا۔ تاکہ کرشن اور بلرام کو دنگل کا بلاوا دے۔ وہ واسدیو اور دیوکی سے محبت رکھتا تھا۔ اور راجہ کنس کے مظالم سے اُسکو نفرت تھی۔ اسواسطے اس نے نند اور جسودھا اور تمام گوپوں کو مخفی طریقہ سے اطلاع دی تھی کہ کنس کا ایسا ارادہ ہے۔ تم سب لڑائی کے لیئے تیار ہو کر آنا۔ ہم سب بھی مدد کیلئے آمادہ و مستعد رہیں گے کرشن جی اور بلرام کو بھی اس کا حال معلوم ہوگیا تھا اور وہ اپنے ماں باپ و مقتول بھائیوں کے انتقام کے لیئے بیچین تھے۔ اور یہی وجہ انکی خوشی کی تھی ؂

الغرض نند اور جسودھا۔ کرشن اور بلرام کو اور تمام گوپوں کو لیکر متھرا روانہ ہوئے اور ادھر کنس نے پوشیدہ طور سے یہ حکم دیا کہ جسوقت کرشن اور بلرام دنگل میں قدم رکھیں ایک مست ہاتھی انپر چھوڑ دیا جائے۔ اور لوگ غل مچائیں کہ بچناہاتھی چھوٹ گیا' بچناہاتھی چھوٹ گیا' تاکہ عام لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ راجہ نے بدنیتی سے ہاتھی چھوڑوایا ہے اوّل تو ہاتھی ان دونوں کا کام تمام کردے گا۔ لیکن اگر اتفاق سے وہ بچ جائیں تو پہر دو نامی پہلوان انکے مقابلہ میں اُتریں اور اپنے فن کشتی سے ان دونوں کو پچھاڑ کر مار ڈالیں

دنگل کا نظارہ

مقررہ مقام پر دنگل آراستہ ہوا۔ رعایا کے تمام عوام و خواص عورت مرد بچے بوڑھے صفیں باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور ایک طرف راجہ کنس اور اُس کے تمام امیر تخت اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور دوسری جانب راجہ کی سب رانیاں خیموں کے نیچے جمع ہوگئیں وہیں۔ ایک رُخ واسدیو اور دیوکی بھی آنکر بیٹھ گئے۔ ان کی جان سناٹوں میں جارہی تھی کہ دیکھیئے تقدیر کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔ کرشن اور بلرام کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کلیجوں پر پہلے ہی داغ پڑے ہوئے ہیں۔ پلی پلائی وہ جوان جہان جانیں بچتی ہیں یا یہ بھی پہلے نونہالونکی طرح خونی سفاک کے ہاتھوں پامال ہوتی ہیں۔ اُدھر رعایا کے جتنے لوگ جمع ہوئے تھے

اُن کے دلوں کا ہی عجب حال تھا۔ ہر شخص واسدیو اور دیوکی کو بیگناہ سمجھتا تھا۔ اور
راجہ کنس کی سفاکیوں سے بیزار تھا۔ ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ ہمارے دونوں شہزادے
جفاکار کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ اور ان کا بال بیکا نہ ہو۔ مگر وہ جب دیکھتے۔ کہ
سامنے بڑے بڑے پہلوان ہیں۔ ملک کا تاجدار ہے۔ خون آشام ہتھیار ہیں۔ فوجوں
اور لشکروں کے پرے ہیں۔ تو ان کا کلیجہ دھڑکتا تھا۔ اور ان کے دلوں میں خیال
آتے تھے کہ جنگل کے گوپ اور اہیں پلے ہوئے شہزادے کیونکر ان خوفناک طاقتوں کا
مقابلہ کر سکیں گے۔ اور کس طرح ان غریبوں کی جان بچے گی؟

غرض تمام دنگل میں ایک عجیب سناٹا اور دھکڑ پکڑ کا عالم تھا۔ کہ اتنے میں دور
سے گرد نمودار ہوئی۔ اور آوازیں بلند ہوئیں کہ وہ آئے۔ وہ آئے" راجہ نے لیکر
پرجا تک سب کی نگاہیں غبار کی طرف اُٹھیں اور دلوں میں یہ دھڑکن شروع ہوئی کہ
امتحان کا وقت قریب آیا۔ خاک کا دامن چاک ہوا۔ گوپوں کا غول دنگل کے قریب پہنچا
تو دیکھا آگے آگے دو پری زاد پانچوں ہتھیاروں سے آراستہ چاند سی صورتیں کمریں باندھے
ہوئے چلے آتے ہیں۔ یہ کرشن اور بلرام تھے۔ پیچھے پیچھے بڑھاپے کی دو مورتیں نندا اور
جسودھا چلی آتی تھیں۔ جنہوں نے ان نور کے پتلوں کو گود میں پال پال کر اتنا بڑا کیا تھا۔
نندا اور جسودھا کے پیچھے سب گوپ۔ مردوں۔ عورتوں اور لڑکوں لڑکیوں کا ہجوم تھا
جو اس امتحانی دنگل کی سیر دیکھنے اور اپنے کرشن کنہیا کی جان بچانے کو ساتھ آئے تھے۔
جوں ہی کرشن اور بلرام نے دنگل کے اندر پاؤں رکھا مجمع عوام سے خیر مقدم کے
نعرے بلند ہونے لگے۔ اور بے اختیار ہر شخص کی زبان پر اپنے شہزادوں کی جے آگئی
راجہ کنس یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سُن رہا تھا۔ رعایا کے جوش ہمدردی کو مشاہدہ
کرکے وہ کوئلوں پر لوٹا جاتا تھا۔ اور کرشن اور بلرام کے دیکھنے سے اُسکی آنکھوں میں خون
اُترتا تھا۔ یکایک ایکطرف سے مست ہاتھی نکلکر بھاگا۔ اور سیدھا کرشن اور بلرام کی

طرف آیا۔ دنگل میں افراتفری پڑ گئی۔ صفیں زیر وزبر ہونے لگیں۔ لوگ ہاتھی کے خوف سے بچکر بھاگنے لگے۔ مگر کرشن اور بلرام اپنی جگہ اڑے کھڑے رہے۔ اور اُنھوں نے ذرا جنبش تک نہ کی۔ ہاتھی تو دانستہ ان دونوں پر چھوڑا گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی طرف آیا۔ چاہتا تھا کہ کرشن اور بلرام کو کچل ڈالے کہ بلرام نے نہایت بہادرانہ جرأت سے ایک برچھا ہاتھی کے کان پر مارا۔ اور کرشن نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ ہاتھی زخمی ہو کر چنگھاڑیں مارتا ہوا بھاگا۔ اور تھوڑی دور جا کر گر پڑا۔ اور مر گیا۔ اِس عجیب وغریب تماشے کو دیکھ کر آفرین اور شاباش کا غلغلہ پڑ گیا۔ اور تھوڑی دیر کان پڑی آواز نہ سُنائی دی راجہ کنس نے جوان دونوں کی یہ بہادری دیکھی تو وہ بھی سکتہ میں رہ گیا۔ مگر پھر اُس نے اوسان درست کر کے دونوں پہلوانوں کو اشارہ کیا۔ جن کو اِس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ وہ دونوں شیطان کے بچے دیو صورت اِن پری زادوں پر کالی گھٹا کی طرح جُھکے۔ ایک کرشن کی طرف آیا۔ دوسرے نے بلرام کی طرف ہاتھ بڑھایا چاہتے تھے کہ ایک ہی وار میں دونوں نازنینوں کو اُٹھا کر دے ماریں اور پستو کی طرح زمین پر مسل دیں لیکن کچھ بھی نہ کر سکے۔ اور مجبوراً کشتی شروع کی۔ کشتی شروع ہوئی تو وہ حیران رہ گئے۔ کہ یہ لڑکے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ یا لوہے کی۔ کہ ذرا پریشان نہیں ہوتے اور مردانہ وار کشتی لڑ رہے ہیں۔ کشتی دیر تک ہوتی رہی اور تمام دنگل والے ڈرتے رہے کہ دیکھئے اب کیا سامنے آتا ہے۔ شہزادوں کی ان دیو زادوں کے آگے کچھ بھی ہستی نہیں ہے۔ بس کوئی دم کی دیر ہے یہ دونوں شیطان اِن نور کے پتلوں کو فنا کر ڈالیں گے۔ مگر قدرت کو تو کچھ اور دکھانا منظور تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھا کہ کرشن اور بلرام نے اپنے ہنر کشتی سے دونوں پہلوانوں کو پچھاڑ ڈالا اور ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔

پہلوانوں کا پچھڑنا تھا کہ پھر دنگل میں ایک غل مچا۔ اور "وہ مارا" "وہ مارا" کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صفوں میں سے گوپ لڑکے دنگل کے اندر آ گئے۔ کرشن اور بلرام کو اُنہوں نے کندھوں پر چڑھا لیا۔ اور جوش خوشی میں ناچنے اور غل مچانے لگے۔ کنس نے جو کیفیت دیکھی تو حکم دیا کہ ان لڑکوں کو باہر نکال دو۔ اور دوسری طرف جلاد کو اشارہ کیا کہ کرشن اور بلرام کے ماں باپ دیوکی اور واسدیو کو قتل گاہ لیجاؤ۔ اور فوراً دونوں کا سر قلم کر دو۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ نند اور جسودھا کو گرفتار کر لو۔ مگر نہ کسی جلاد نے اُس کا حکم مانا نہ کوئی فوجی افسر نند اور جسودھا کو گرفتار کرنے آگے بڑھا۔ کیونکہ ان سب کے تو آپس میں پہلے ہی مشورہ اور سمجھوتا ہو چکا تھا۔

کنس حیرت سے اپنے درباری اور فوجی ملازموں کو دیکھ رہا تھا کہ آج انہیں کیا ہو گیا کہ میں حکم دیتا ہوں اور کوئی تعمیل نہیں کرتا۔ سب کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ گویا کسی نے سُنا ہی نہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ا... ان میں سازش ہوئی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اب کچھ اور تدبیر کرنی چاہیئے۔ مگر ابھی کوئی تجویز بھی اُس کے دماغ میں نہ آئی تھی کہ سری کرشن دوڑ کر کنس کے تخت کیطرف آئے اور جھپٹ کر تخت پر چڑھ گئے۔ اور کنس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا اور اُنہیں کھینچکر کنس کو تخت سے گھسیٹ لیا۔

کنس کا کام تمام

کیا خدا کی شان ہے کہ اجنبی لڑکا راجہ کے تخت پر چڑھ گیا۔ اُس کے بالوں کو پکڑا۔ اُنہیں جھٹکے دئے۔ یہاں تک کہ اُسکو تخت سے زمین پر گھسیٹ لایا۔ مگر کسی امیر نے اتنی جرأت نہ کی کہ راجہ کو بچانے کا ارادہ کرتا۔ اور کرشن کے مقابلہ میں آتا۔ خود بیچارے کنس نے کرشن کا مقابلہ کیا۔ اور کچھ دیر اُن سے کشتی لڑی۔ مگر وقت آخر

آپہونچا تھا۔ اجل کا شکنجہ پہنچ چکا تھا۔ کنس کی ہشت مُشت کام میں نہ آئی اور کرشن نے اُس کو پچھاڑ دیا۔ اور فوراً خنجر نکال کر سر تن سے جدا کر دیا۔ اور اُس اسیر ہوس نے خاک و خون میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بڑی مشکل سے جان دی۔

آج اُس کنس کا کام تمام ہوا جس نے دنیا کی زندگی کو ابدی زندگی سمجھ رکھا تھا آج اُس موذی کا تاج خاک میں گر پڑا جس نے حکومت دُنیا کی خاطر بہت سے بے گناہ معصوموں کے سر تا زمین جسموں سے کاٹ کر خاک بسر کئے تھے۔ دیکھو۔ متھرا کا شہزور قوت والا۔ فوجوں اور ہتھیاروں کا مالک ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا بادشاہ ایک لڑکے کے ٹکڑے سے ذبح ہو کر گیا مایوس سر کٹائے پڑا ہے۔ تخت کے نیچے زمین اُس کے ناپاک خون سے لال ہو رہی ہے۔ اُس کی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی ہیں۔ اور آدھی بند ہیں۔ اُس کے لمبے بال خاک اور خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

جس لڑکے کا اُسکو خطرہ تھا وہ خون بھری تلوار لیئے چپ چاپ کھڑا مسکرا رہا ہے اور کوئی طاقت اِس آزاد تبسم کو روکنے والی نہیں ہے ٭

جن امیروں نے کنس کا دماغ آسمان پر چڑھا یا تھا آج اُنمیں سے ایک بھی آگے نہ بڑھا جو اپنے آقا کی جان بچاتا جن لشکروں کے تکبر نے کنس کو فرعون بنایا تھا آج اُس سپاہ کی ایک تلوار بھی اسکی حمایت کے واسطے میان سے نہ نکلی۔ کیوں؟ اسلئے کہ کنس کے ظلم نے خود کنس کو اندھا کر دیا تھا۔ اُس کے تمام دوستوں اور حمایتیوں کے دل تاریک کر دئے تھے جس دلمیں اندھیرا ہوتا ہے وہ وقت نازک پر جرأت و ہمت کو بھول جاتا ہے جس دماغ میں حق تلفی اور کمزور آزاری کے نقش ہوتے ہیں وہ دماغ اڑے وقت میں کام نہیں آتا۔ اور اس سے سوچنے اور مناسب کام کرنے کی لیاقت جاتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمبخت مارڈالا گیا۔ اور کسی نے اسکی پاسداری نہ کی کوئی اس کے انتقام یا بچاؤ کے لئے جگہ سے نہ ہلا ٭

البتہ کنس کے آٹھ بھائی کرشن پر حملہ آور ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے خونی بھائی کا بدلہ تلوار سے لینا چاہا۔ مگر یہ آٹھوں بھی کرشن۔ بلرام۔ اور اُن کے بعض حمایتی لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور اس طرح ایک پرانے پاپی کا قصہ تمام ہوا جس کی تمام ستم کاریاں ظہور سری کرشن کا موجب بنی تھیں۔

تخت کو لات ماردی

جب کنس کا کام تمام ہو چکا اور اُسکی رانیوں نے نوحوں اور ماتم کی آوازوں کو تھمایا۔ تو کنس کے ماں باپ ظالم بیٹے کی لاش پر آئے اور دیر تک ماتم کرتے رہے باو کنس کی ظلم کاریوں کے اسوقت ہر شخص کو ظالم کے انجام بد سے عبرت ہو رہی تھی اور قتل گاہ کے حاضرین رنجیدہ اور غمگین نظر آتے تھے۔

ایک طرف تو رنج والم کا یہ نظارہ تھا۔ دوسری جانب سری کرشن کے والدین دیوکی اور واسدیو اپنے بچوں کی شاندار کارگزاریاں چپ چاپ کھڑے دیکھتے تھے دلمیں باغ باغ ہوتے تھے۔ جوں ہی سری کرشن قتل کنس سے فارغ ہوئے تو بھائی بلرام کو لیکر دوڑے اور ماں باپ کے قدموں پر جا کر گر پڑے اور آنکھیں ان کے پیروں سے ملنے لگے۔ والدین نے اپنے نونہالوں کو اُٹھا کر چھاتی سے لگایا اور خوشی کا رونا روتے رہے۔

ایک ہی جگہ دو سین نظر آتے تھے۔ ایک رخ بوڑھے ماں باپ اپنے بیٹے کی لاش پر کھڑے ہوئے آہ کے نعرے مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے اور مرنے والے کی رانیاں چھاتی پیٹ رہی تھیں۔ مُنہ نوچ رہی تھیں۔ اُس کے خوشامدی اولیا مچا رہے تھے۔ اور دوسری سمت مدتوں کے غمگین ماں باپ اپنے بچھڑے ہوئے دو لاڈلوں کو سینے سے لگائے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اُس نے مایوسوں کو

اور نا اُمیدوں کو خوشی کا یہ دن دکھایا اور ان کے پردیسی بچے ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

یہ نظارے ہو چکے تو جادو نسل کے سب چھوٹے بڑے سری کرشن کے قدموں میں گر پڑے اور کہا "تاج و تخت حاضر ہے۔ اب آپ اس کی حفاظت کیجئے"۔ برادری کے امرا کے علاوہ رعایا کے تمام منتخب لوگوں نے اور کنس کے بھی بڑے بڑے پیروں نے اسکی تائید کی کہ آپ تاج و تخت قبول فرمائیے۔ آپ کے سوا کوئی حقدار اس دولت کا نہیں ہے۔

مگر سری کرشن دُنیا میں روپے پیسے کی بادشاہت کرنے نہیں آئے تھے۔ خدا نے ان کو کسی اور کام کے لئے مامور کیا تھا جو اس چند روزہ حکمرانی دنیا سے اعلیٰ تھا۔ اسواسطے اُنھوں نے دنیاوی تاج و تخت کو لات ماردی اور ان سب لوگوں سے کہا جو سری کرشن کو راجہ بنانے کی درخواست کر رہے تھے کہ "میں اس گدی کا حقدار نہیں ہوں میں نے کنس کو اس لئے نہیں مارا کہ اُس گدی کا مالک بنجاؤں میری غرض یہ ہرگز نہیں تھی کہ ظالم لوگوں کی طرح تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے ایک آدمی کا خون بہاؤں۔ میں نے کنس کو اسکی مسلسل سفاکیوں کے عوض قتل کیا ہے۔ میرا فرض یہ تھا کہ ایک پاپی ہستی کو دُنیا سے نابود کردوں۔ دیکھو مجھے خدا نے قدرت دی کہ میں باوجود بے طاقت ہونے کے اُسپر غالب آیا۔ اور اُس کا کام تمام کردیا۔

میں جانتا ہوں کہ متھرا کی حکومت میرے خاندان کا حق ہے اور کنس کے خاندان نے اس کو جبراً لے لیا تھا لیکن آج میں پُرانے قصوں کو فراموش کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ حق تخت اُگرسین کا ہے جو کنس کا باپ ہے جسکو اُس کے ظالم اور حریص بیٹے نے معزول کرکے یہ تخت چھین لیا تھا۔ آج میں اُگرسین سے درخواست کرتا ہوں

کہ وہ آئیں۔ اور اپنی ملکیت تاج و تخت کو حاصل کریں۔ میں انکی ویسی ہی تابعداری کروں گا۔ جیسے کہ اور سب میرے خاندان والے اطاعت و فرمانبرداری کرتے آئے ہیں۔

اگرسین نے کہا ''نہیں بابا میں اب بوڑھا ہوا مجھ میں سلطنت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ میری عین خواہش ہے کہ تم تخت پر بیٹھو۔ اور میں تمہارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہوں''

سری کرشن بولے ''نہیں ہرگز نہیں آپ ہم سب کے بڑے ہیں آپ کے ہوتے ہوئے ہم میں سے کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی'' یہ کہہ کر اگرسین کا ہاتھ پکڑا۔ اور تخت پر بٹھا دیا۔ اور تاج اُس کے سر پر رکھ کر تاجداری کے شادیانے بجوا دئے۔ اس کے بعد نہایت دھوم دھام اور عزت کے ساتھ کنس اور اُس کے بھائیوں کی لاشیں اُٹھائیں اور شاہانہ ٹھاٹھ سے مرگھٹ میں لے جاکر اُن کو جلا دیا۔

گوپوں کی مایوسی

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو نند اور جسودھا اور تمام گوپوں اور انکی مستورات گوپیوں نے سری کرشن سے پھر بندرابن چلنے کی خواہش کی جس کے جواب میں اُنہوں نے فرمایا ''بس۔ اے میرے رفیقوں۔ اب وہ زمانہ ختم ہو گیا جس میں خدا نے مجھ کو تمہارے ساتھ رکھا تھا۔ میں جانور چرایا کرتا تھا جنگلوں میں کھڑے ہو کر بانسری بجاتا تھا اور تمہارے ساتھ رات دن کھیل کود اور ہنسی دل لگی میں مصروف رہتا تھا۔

اب دوسرا وقت آیا ہے۔ اب مجھے کچھ اور کام کرتے ہیں۔ میں تمہاری محبتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے تمہاری ملنساریاں اور وفاداریاں ساری عمر یاد رہیں گی مگر تم یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ کرشن اب پھر تم میں ہیگا یا تم اُسکے پاس رہوگے۔ اگر ملنا ہوگا بھی

تو اپنے کرشن کی وہ طفلانہ حیثیت نہ پاؤگے جسکو کل تک تم نے دیکھا ہے۔
تند اور جسود ہا مثل میرے ماں باپ کے ہیں۔ میں تمام عمر ان کی عزت کرتا رہونگا
مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اب میں پھر ان کے پاس بندرابن میں جاکر رہوں۔ سلام اے
بچپن کے ساتھیو۔ تم سب کو سلام۔ خوش رہو آباد رہو"
گوپیوں اور گوپیوں نے جب سری کرشن کا یہ صاف جواب سُنا تو وہ سب
غمگین ہوگئے۔ گوپوں کے لڑکے اور لڑکیاں آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور سری کرشن
کو ایسا نہ دیکھ دیکھ کر رونے لگے۔ سری کرشن نے انکو روتا دیکھا تو مُسکرائے اور چپ چاپ کر منہ پھیر لیا
یہ سری کرشن کی معشوقیت کا پہلا ناز تہا۔ پہلی ادا تھی جو ان سے ظاہر ہوئی۔ اور
جس سے معلوم ہوا کہ یہ ذات تعلقات انسانی کی آلودگیوں سے الگ اور کچھ اور ہی
اونچی شان رکھتی ہے جسکو دُنیا داروں کے میل جول دُکھ سُکھ رنج والم سے قدرت
نے بہت بلند پیدا کیا ہے۔
آخر بیچارے گوپ اور گوپیاں حسرت سے سری کرشن اور بلرام کو دیکھتی ہوئیں
آنسو بہاتی ہوئیں۔ آخری سلام کرکے پیٹ پھیر کر بندرابن کو چلی گئیں۔ اور سری
کرشن اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔

تعلیم

اُگر سین کی تخت نشینی ہوچکی۔ اور وہ تمام خاندان جو کنس کی زیادتیوں سے
چھپ چھپکر جلاوطن ہوگئے تھے۔ پھر ملک میں آکر آباد ہوئے۔ اور تمام مُلک کا انتظام
درست ہوگیا۔ اور کوئی ظلم وخرابی سلطنت میں باقی نہیں رہی۔ تو سری کرشن اور
ان کے بھائی بلرام نے تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور کاشی جانے کے واسطے
مستعد ہوئے۔ جہاں ہند و علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کہ سری کرشن جی کے زمانہ میں کاشی (یعنی بنارس) میں علم و فن کی کوئی خوبی تھی وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کاشی اُسوقت آبادہی نہ تھا۔ مگر پُورانوں میں یہ صاف طور سے درج ہے کہ سری کرشن جی نے کاشی میں تعلیم پائی ؛

بہر حال کہیں پڑھا ہو۔ مقام میں حجت بازی سے کیا حاصل اصل مقصد یہ ہے کہ ہلاکت کنس کے بعد متھرا کے باہر پردیس جاکر اُنہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اور تمام علوم و فنون روحانی و جسمانی۔ رزمی و بزمی حد کمال تک اُنہوں نے سیکھے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ (۶۴) دن میں اُنھوں نے سب کچھ سیکھ لیا۔ اور مہابھارت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیم میں دس برس مصروف رہے ؛

جس وقت وہ پڑھنے چلے تو اُنھوں نے اپنے ماں باپ واسدیو اور دیوکی سے اجازت حاصل کی۔ اور بندرابن میں نند اور جسودھا کو بھی پیام بھیجا۔ اور اُن سے رخصت منگوائی۔ اور تمام گوپ اور گوپیوں کو سلام پیام بھجوائے۔ اور جب تک تعلیم میں مصروف رہے برابر اپنے اصل والدین اور پالنے والے ماں باپ کے پاس خیریت نامے بھیجتے رہے ؛

متھرا پر ہولناک یورش

سری کرشن جی کے ماموں کنس کی شادی راجہ جراسندھ سے ہوئی تھی جو مگدھ کا شہنشاہ تھا۔ ملک مگدھ غالباً اودھ بہار و اُڑیسہ کے ممالک پر شامل ہوگا۔ اُسوقت ہندوستان میں راجہ جراسندھ سب سے بڑا طاقتور مانا جاتا تھا۔ اور سینکڑوں سرداراجوں کو اُس نے شکست دیکر اپنا قیدی بنا رکھا تھا۔ کنس کے غرور و تکبر کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُسکو اپنے خسر یعنی مہاراجہ جراسندھ کی قوت و شوکت کا گھمنڈ تھا

جس کے خوف سے سارا ہندوستان ڈرتا اور لرزتا تھا۔

جس وقت ملک مگدھ میں راجہ کنس کے قتل کی خبر پہونچی تو جراسندھ آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس نے اپنے داماد کا انتقام لینا چاہا۔ اور ارادہ کیا کہ جادو خاندان کے بچے بچے کو فنا کر کے دم لوں گا۔ یہ سوچکر بیشمار سواروں۔ پیادوں اور ہاتھیوں کی فوج لیکر متھرا کی جانب آندھی کی طرح اُٹھا۔ متھرا میں خبر آئی تو یہاں سب کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ اور اُنہوں نے سری کرشن اور بلرام کو کاشی سے بُلوایا۔ یہ دونوں بھائی فوراً روانہ ہوئے اور جراسندھ کے متھرا پہنچنے سے پہلے متھرا پہنچ گئے۔

جراسندھ آیا اور بابل متھرا سے بڑے زور شور کا معرکہ لڑا۔ مگر رن میں سری کرشن اور بلرام نے ایسی بہادری اور لڑائی کے ہنر دکھلائے کہ جراسندھ سے متھرا کا ایک بال بیکا نہ ہو سکا۔ اور وہ مایوس و نامراد اپنے ملک کو اُلٹا پھر گیا۔ مگر دوسرے سال ہی پھر بہت بھاڑ سے آیا۔ اور ناکام بھاگا۔ یہاں تک کہ اُس نے اٹھارہ حملے کئے مگر کسی حملہ میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ تو انیسویں دفعہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام کا ٹڈی دل لیکر بڑی خونخواری کے ساتھ کرتا کرتا حملہ آور ہوا۔

سری کرشن اعلیٰ تعلیم۔ قدرتی ذہانت اور غیبی مکاشفات سے ایسے ماہر جنگ ہو گئے تھے کہ اُنھوں نے اس دفعہ مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور سمجھ لیا کہ اتنے عظیم لشکر کا سامنا کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسواسطے اُنہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اور تمام جادو خاندان کے افراد کو لیکر متھرا سے نکل گئے۔ اور کاٹھیاواڑ گجرات کے آخری کونے پر سمندر کے کنارے ایک قلعہ بنا کر آباد ہو گئے جس کا نام اُنہوں نے دوارکا۔ اور جو پہلے کُشتی تھلی کے نام سے مشہور تھا۔ یہی دوارکا ہے جو متھرا اور بندرابن کے بعد آجتک تمام ہندوؤں کا مشہور تیرتھ (زیارت خانہ) مانا جاتا ہے۔

سری کرشن جی جب دوارکا گئے ہیں تو اُن کے ہمراہ خاص اُن کی برادری جادو نسل کے

(دا چھاتہ) ہزار آدمی تھے۔ دوارکا کو انھوں نے ایک مضبوط چھاؤنی اور مستحکم قلعہ بنالیا۔
اور دشمنوں سے محفوظ ہوکر وہاں رہنے لگے۔

کرشن جی کی پہلی شادی

ملک برار میں ایک راجہ تھا جس کا نام بھیشمک تھا۔ اور اسکی ایک لڑکی تھی۔ نہایت حسین۔ قبول صورت۔ رکمنی نام۔ ملکوں ملکوں اسکی صورت و سیرت کی دھوم تھی بڑے بڑے شہزادے رکمنی کے نادیدہ حسن وجمال پر عاشق ہو رہے تھے۔ سری کرشن جی نے رکمنی کی تعریف سنی تو ان کو بھی اسکا خیال ہوگیا۔ اور چونکہ کرشن جی بھی نہایت خوبصورت تھے اور گھر گھر ان کے حسن کا چرچا تھا۔ اسواسطے رکمنی کے دلمیں بھی بے دیکھے سری کرشن کا عشق پیدا ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوؤں کی عورتیں شوہر پسند کرنے میں آزاد و مختار تھیں۔ اور رکمنی کو حق حاصل تھا کہ وہ خود باپ سے کہکر اپنا خاوند پسند کرلیتی اور سری کرشن سے اسکی شادی ہوجاتی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سری کرشن کے حریف راجہ جراسندھ کا سپہ سالار ششوپال بھی رکمنی کا خواستگار تھا۔ اور جراسندھ کی ہیبت راجگان ہندوستان پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شخص اس کے حکم اور اشارے کے خلاف سرتابی نہیں کرسکتا تھا۔ برار کے راجہ بھیشمک (یعنی رکمنی کے باپ) پر جراسندھ نے ششوپال کے لئے زور ڈالا تھا اور راجہ بھیشمک نے جراسندھ کے دباؤ سے اس پیام کو منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ شادی قرار پاگئی اور ششوپال برات لیکر برار کی طرف روانہ ہوا (ششوپال سری کرشن کا بھی قرابت دار تھا۔ پھوپی زاد بھائی) سری کرشن جی کو اسکی خبر ہوئی تو وہ بھی اپنے خاندان کے منتخب سرداروں کو لیکر تبدیل لباس میں برار پہنچے۔ بھاگوت میں لکھا ہے کہ رکمنی جی نے خفیہ طور سے خود سری کرشن کو اسکی اطلاع دی تھی

اُن کو بُلایا تھا جس وقت سری کرشن منڈین میں پہونچ گئے جو لک برار کا پایہ تخت تھا تو رکمنی جی نے اُن کو اطلاع دی کہ میں مندر جانے کے بہانے سے گھر کے باہر نکلوں گی۔ تم فلاں مقام پر سواری لئے تیار رہنا تاکہ میں تمہارے ساتھ دوارکا نکل چلوں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سری کرشن جی رُکمنی کو چپ چاپ رتھ میں بٹھاکر اور لیکر چلے گئے کچھ دیر تو یہ خبر چھپی رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ چرچا ہوا اور رکمنی کے بھائی رُکمن کو اسکی خبر لگ گئی تو وہ غصہ سے بیتاب ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بہادر سواروں کا ایک دستہ لیکر سری کرشن کے پیچھے چڑھ دوڑا۔ اگرچہ سری کرشن بہت تیز جا رہے تھے۔ لیکن رُکمن اس یلغار سے آیا کہ سری کرشن راستہ میں اُس کے ہاتھ آگئے۔ اور گھر گئے۔ دونوں فریق کے آدمیوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ اور خونریز لڑائی ہونے لگی لیکن آخر رُکمن کو شکست ہوئی۔ اور اُسکے ساتھی بھاگ نکلے۔ قریب تھا کہ رُکمن بھی سری کرشن کے ہاتھ سے مارا جائے مگر رُکمنی جی نے اپنے بھائی کی سفارش کی اور سری کرشن اُس کے قتل سے باز آگئے رُکمن واپس ہوکر منڈین چلا آیا اور سری کرشن جی رُکمنی کو لیکر دوارکا پہونچ گئے۔ اور وہاں جاکر رسم راکشس رُکمنی سے شادی کرلی۔

ہندو فقہ کے بموجب شادی کی آٹھ قسمیں ہیں۔ انمیں سے ایک کا نام راکشس ہے راکشس رسم سے شادی اُسوقت ہوتی تھی جب کوئی چھتری نسل کا شخص کسی لڑکی کو بیٹی والوں سے لڑکر یا اُن کی مرضی کے خلاف چھپا کر لیجاتا تھا تو راکشس رسم کے بموجب شادی کرتا تھا۔

اِس شادی کا ان بہادر لوگوں میں عام رواج تھا۔ اور کوئی شخص اسکو عیب نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ دلیری اور شجاعت کا ایک کارنامہ کہا جاتا تھا سری کرشن جی پر مخصوص نہیں ہے۔ اس زمانے کے اور بڑے بڑے بزرگوں نے بھی اس قسم کی شادیاں کی ہیں چنانچہ بھیشم پتامہ جو بہت بڑے بزرگ ہندو مانے جاتے تھے کاشی کے راجہ کی دو لڑکیوں کو اُنکے باپ کی مرضی کے خلاف چھین لائے تھے کیونکہ ان کے باپ نے بیٹی دینے سے انکار

کیا تھا۔خود کرشن جی کی بہن سوبھدرا کو کرشن جی کا شاگرد ارجن چرا کر لے گیا تھا۔ اور آگے جا کر معلوم ہوگا کہ خود کرشن جی نے ارجن کو خفیہ طور سے اس فعل کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ سری کرشن کے خاندان والے ارجن کو اپنی بیٹی دینے پر راضی نہ تھے۔ راجہ پرتھی راج کا بھی ایک واقعہ کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ وہ بھی سنجوگتا نامی لڑکی کو اسیطرح لے گئے تھے۔ اور "راکشس" رسم کے موافق اس سے شادی کی تھی ؛

جن قوموں کے ہاں یہ رواج نہیں ہے اُن کو اس رسم پر تعجب ہوگا۔ بلکہ خود ہندوؤں نے اپنی قدیمی روایتوں کو بھلا دیا ہے۔ آجکل اس رسم کو سُنکر کہیں گے کہ یہ بہت بُری رسم تھی۔ لیکن اگر وہ فلسفہ شادی پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ اِسمیں عیب اور خرابی کی کوئی بات نہیں ہے۔ شادی عورت مرد کی باہمی رضامندی کا نام ہے جس کی تکمیل سوسائٹی اور برادری کے مجمع میں ہوتی ہے۔ لیکن اگر عورت کے وارث عورت کی مرضی کے خلاف جبر کریں تو عورت کو قدرتاً حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ شوہر سے باختیار خود شادی کرلے۔ اور شوہر کو لازم ہے کہ اپنے بازو کی قوت سے مخالفوں کو زک دیکر اُس عورت کو اُن سے چھین لے جو اُس کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے ؛

پس کرشن جی نے جو کچھ کیا اپنے زمانہ کے دستور کے موافق کیا۔ اور ہندو فقہ کی اجازت سے کیا۔ غیر اقوام کو کچھ بھی حق نہیں ہے کہ جو کسی قوم کے رواج عام پر زبانِ طعن کھولیں ؛

سری کرشن جی کی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں

کرشن جی کا نام مہابھارت کی مشہور لڑائی میں سورج اور چاند کی طرح جگہ جگہ چمکتا

نظر آتا ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مہا بھارت سے پہلے ان کو اور بھی کئی معرکے پیش آئے ہیں۔ وشنو پران کے ۲۹ دین ادھیائے میں ایک لڑائی کا ذکر ہے جس میں سری کرشن نے ملک آسام کے پایہ تخت پراگ جیوتش پر حملہ کیا تھا۔ اس علاقہ کا راجہ بڑا ظالم تھا جسکا نام نرک تھا۔ یا تو اُس کا نام ہی نرک ہو گا۔ یا خلقت نے اُس کے مظالم کے سبب سے نرک (یعنی دوزخ) نام رکھ دیا ہوگا۔ راجہ نرک اپنی رعایا کی عورتوں اور لڑکیوں کو چھین چھین کر بہ نیت حرام کاری اپنے گھر میں ڈال لیتا تھا۔ اور انکے مال و متاع کو بھی ظلم و ستم سے غصب کر لیتا تھا۔

آخر جب سری کرشن کی بہادری اور مظلوم نوازی کا غلغلہ پڑا تو آسام تک کے باشندے دوارکا میں سری کرشن کے پاس آئے اور اُن سے فریاد کی۔ سری کرشن ان بیکسوں کی مدد کے لئے تیار ہو گئے اور فوج لیکر آسام پہنچے۔ اور راجہ نرک سے بڑی خونریز لڑائی لڑی جسمیں وہ کام آیا۔ اور اُس کے محل میں سے سولہ ہزار عورتیں نکلیں جنکو اس موذی نے قید کر رکھا تھا۔ اور سری کرشن کی بدولت ان بے زبانوں کو رہائی اور آزادی نصیب ہوئی۔

وشنو پران میں ایک دوسری لڑائی کا حال اور لکھا ہے جو کرناٹک کے راجہ بان سے سری کرشن کی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرشن جی کا پوتا انی رودھ راجہ بان کی لڑکی اوشا پر عاشق ہو گیا تھا۔ اوشا کو اسکی خبر ہوئی تو اُس نے چھتری رسم کے موافق جس کا ذکر اوپر آیا ہے انی رودھ کو پیام بھیجا۔ کہ تو کرناٹک آکر مجھ کو چرا لے اور اپنے ساتھ لیجا۔ میرا باپ ہرگز تیرے ساتھ شادی نہ کرے گا۔ چنانچہ انی رودھ کرناٹک پہنچا۔ اور اوشا کی ترکیب کے موافق محلوں میں داخل ہو گیا۔ قریب تھا کہ اپنی معشوقہ اوشا کو لیکر باہر نکل جائے۔ کہ اتنے میں خبر کھل گئی اور راجہ بان نے اپنی بیٹی اوشا اور انی رودھ کو گرفتار کر لیا۔ اور قید خانہ میں ڈال دیا۔

چونکہ راجہ بان کی یہ حرکت چھتری دستور کے خلاف تھی اور اُس نے ہندو شاستروں کے حکم کو پس پشت ڈال کر اپنی بیٹی کے پسندیدہ شوہر کو قید کیا تھا۔ اِس واسطے سری کرشن پر فرض ہوا کہ کرناٹک پر چڑھائی کریں۔ اور بان کو اُس شرارت کا مزہ چکھائیں چنانچہ سری کرشن اور بلرام فوجیں لیکر کرناٹک پر چڑھ گئے اور ایک مہیب مقابلہ کے بعد راجہ بان کو شکست دی اور اپنے پوتے انی رودھ کو اُس کے ہاتھ سے چھڑا کر دوارکا لے آئے؛

وشنو پُران میں ایک اور لڑائی کا حال بھی لکھا ہے۔ یہ جنگ بنارس کے راجہ پونڈر سے ہوئی تھی۔ اس راجہ نے یہ شرارت کی تھی کہ اپنا لقب واسدیو اختیار کیا تھا۔ اور ناظرین جانتے ہیں کہ واسدیو سری کرشن کے والد کا نام تھا۔ اور سری کرشن کو بھی واسدیو کے نام سے پکارتے تھے۔ اِس شیطنت کے علاوہ راجہ پونڈر نے سری کرشن کو ایک گستاخانہ خط بھی لکھا تھا جس میں اُن کو جعلساز اور مکار کے بیہودہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا۔ مگر آفرین ہے سری کرشن کے ضبط و تحمل کو کہ اُنہوں نے پونڈر کی تمام کمینہ حرکات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور صبر کر کے چپ ہو گئے۔ اِس پر اس بدذات کو یہ جرأت ہوئی کہ دوارکا پر چڑھ آیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ سری کرشن کیلاش کی زیارت کو گئے ہوئے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں راجہ پونڈر نے دوارکا پر شب خون مارا۔ سری کرشن جی کو خبر ہوئی تو وہ بھی گرجتے ہوئے ابر کی طرح اُٹھے چمکتی ہوئی بجلی کی طرح تلوار کھینچی۔ اور مسمار کرنے والے اولوں کی مانند راجہ پونڈر کی فوج کو بھُس بنا کے کھدیا خبیث پونڈر بھی اسی لڑائی میں جہنم رسید ہوا؛

کوروپانچال

مہابھارت کا نام سنا ہوگا۔ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور مشہور

لڑائی تھی۔ اور اسکو موجودہ جنگ یورپ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ جنگ کورو اور پانچال دو قوموں کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ یہ دونوں قومیں علٰحدہ علٰحدہ علاقوں پر شمالی ہند میں حکمراں تھیں۔ کورو قوم کا راجہ پانڈو تھا۔ اور پانچال قوم کا تاجدار دروپد تھا*

راجہ پانڈو کا ایک بھائی دھرت راشٹر نام تھا۔ مگر دھرت راشٹر آنکھوں سے اندھا تھا۔ اس واسطے تخت سے محروم رہا۔ اور سلطنت اُس کے بھائی پانڈو کے حصّہ میں آئی۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک کا نام یدھشٹر۔ دوسرے کا ارجن۔ تیسرے کا بھیم چوتھے کا نکل۔ پانچویں کا سہدیو۔ اور پانڈو کے نابینا بھائی دھرت راشٹر کے بیٹے کا نام دریودھن تھا*

جب راجہ پانڈو مر گیا۔ تو قاعدہ کے موافق تخت پر پانڈو کے بڑے بیٹے یدھشٹر کو بیٹھنا چاہئے تھا۔ مگر اندھے دھرت راشٹر کے بیٹے دریودھن نے کوشش کی کہ اپنے چچازاد بھائی یدھشٹر کو محروم کر کے خود تاج و تخت کا مالک ہو جائے۔ بلکہ یہانتک سامان کیا کہ چچا کے ان پانچوں بیٹوں کو کسی طرح ہلاک کر کے سلطنت کو اپنے واسطے بے خار بنالے*

پانڈو کے پانچوں لڑکے عقل میں۔ علم و ہنر میں۔ قابلیت جنگ میں دریودھن سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دریودھن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یہ پانچوں بھائی اُس کے فتنے سے محفوظ رہے۔ مگر آپس میں عناد اور عداوت اتنی بڑھ گئی کہ ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا رہنے لگا۔ اندھے راجہ دھرت راشٹر نے جب یہ حالت دیکھی تو اُس نے پانڈو کے پانچوں لڑکوں سے کہا کہ "تم شہر ورن وراٹ میں جا رہو۔ وہاں تمہارے واسطے محل تیار کرا دونگا۔ اُسمیں جا کر آرام سے زندگی بسر کرو۔ اور میرے بیٹے دریودھن سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ چھوڑ دو۔" اگرچہ دھرت راشٹر کا فیصلہ بالکل خلاف انصاف تھا

کیونکہ پانڈو کے بیٹے حکومت کے حقدار تھے۔ اور دریودہن کو خواہش سلطنت کا کوئی حق حاصل نہ تہا۔ مگر پانڈو کے پانچوں لڑکوں نے اپنے بزرگ چچا کا کہنا مانا اور ترک وطن پر تیار ہوگئے۔ اور پانچوں میں سے ایک نے بہی یہ نہ کہا کہ اگر آپ کو نکالنا ہے اور فتنہ وفساد روکنا ہے تو اپنے بیٹے دریودہن کو نکالیئے۔ ہم اپنے باپ کے تخت کے وارث ہیں۔ ہم کیوں جلاوطن ہوں؟ مگر نہیں وہ پانچوں اپنے بڑوں کے اطاعت گزار اور نیک خیال لڑکے تھے۔ چچا کا حکم ملتے ہی ورن وراٹ کو چلے گئے۔

شہر "ورن وراٹ" شاید میرٹھ کے پاس ہوگا۔ یا میرٹھ ہی کا نام ورن وراٹ ہو کیونکہ آگے جاکر جس محل کا ذکر آئے گا اُس محل کے کھنڈر اب تک ضلع میرٹھ میں موجود ہیں۔ اور میں نے اُن کو دیکھا ہے۔

جب پانڈو کے پانچوں لڑکے ترک وطن پر آمادہ ہوگئے تو دریودہن نے اپنے ایک محرم راز امیر کو جس کا نام پروچن تہا۔ آگے بھیجدیا۔ اور کہہ دیا کہ جو محل یدہشتر اور اُس کے بھائیوں کے لیئے تیار کیا جائے اُسمیں لاکھ اور چند دیگر ایسے مصالحے لگائے جائیں جنکو آگ جلد ہی پکڑ لیتی ہے۔ اور وہ فوراً مشتعل ہوجاتے ہیں۔ تاکہ جب پانڈو زادے اس محل میں جاکر آباد ہوں تو ایک دن بے خبری میں رات کے وقت محل میں آگ لگادی جائے اور یہ پانچوں اُس میں جلکر خاک ہوجائیں ؛

دریودہن اور پروچن کی اس سازش کا حال یدہشتر کے دوسرے چچا ودر کو معلوم ہوگیا اور اُس نے اپنے پانچوں بھتیجوں کو اسکی خبر دیدی چنانچہ یہ پانچوں بھائی۔ آگ لگنے سے پہلے محل کو چھوڑکر بھاگ گئے۔ جب آگ لگائی گئی تو اُنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اور محل جلکر ڈھیر ہوگیا۔ محل سے نکلکر ان پانچوں نے برہمنوں کا بھیس بدل لیا اور جنگل جنگل پھرنے لگے۔ تاکہ ان کا بھائی دریودہن کوئی اور شرارت جان لینے کی نہ کرے ؛

لاکھا منڈپ

لاکھ کے محل کا ذکر آیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اُس کے جائے وقوع کو بیان کروں۔ کیونکہ میں نے اِس مقام کو بارہا دیکھا ہے۔ اور اس کے دیکھنے سے گذشتہ زمانہ کی تاریخ کا خیال کر کے گھنٹوں مدہوش و بے حال رہا ہوں۔ اِس لاکھی محل کا نام اب تک اُس علاقہ میں "لاکھا منڈپ" مشہور ہے۔ موجودہ شہر میرٹھ سے سولہ سترہ میل دور قصبہ برناوہ اور قصبہ بنولی کے سامنے اور آبادی شیخو پورہ کے قریب کرشنا ندی کے کنارے ایک بہت بلند ٹیلہ نظر آتا ہے جس کے شرق میں کرشنا ندی بہتی ہے۔ اور شمال میں برناوہ کا قصبہ ہے۔ اور مغرب میں قصبہ بنولی ہے اور جنوب میں بستی شیخو پورہ۔ اِس ٹیلے کی سب سے بلند آخری چوٹی پر ایک درگاہ بنی ہوئی ہے جس میں حضرت مخدوم بدرالدین چشتیؒ کا مزار ہے۔ مخدوم صاحب حضرت مخدوم شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ کے خلیفہ تھے اور چراغ دہلی صاحب حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اور آج سے چھ سو برس پہلے حضرت مخدوم بدرالدینؒ نے اِس ٹیلہ پر اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ اور وفات کے بعد وہیں ان کا مزار بنا۔ برناوہ اور شیخو پورہ میں ان کی اولاد اب تک آباد ہے۔ اور علاقہ کی زمینداری اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس ٹیلہ کو چاروں طرف بغرض جستجو و تلاش پھرا تو معلوم ہوا کہ درگاہ وسط ٹیلہ پر ہے۔ اور آس پاس بہت بڑا میدان خالی پڑا ہے۔ جو سطح زمین سے اِس قدر بلند ہے کہ خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ اِس ٹیلے کے اندر ضرور کچھ عمارتیں یا وقت قدیم کی نشانیاں دبی پڑی ہوں گی۔ میں نے ایک جگہ مٹی کا ایک بڑا دھم گرا ہوا دیکھا جو پانی کے اثر سے گر پڑا تھا۔ اُس کے اندر ڈیڑھ فٹ مربع اور تقریباً چھ انچ موٹی اینٹیں ہیں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اِس ٹیلے کے اندر پُرانے زمانہ کی یہ عجیب وغریب اینٹیں دبی پڑی ہوں گی۔ اور خبر نہیں اور کیا کیا اِس میں مخفی ہوگا۔ ہندوؤں سے کون کہے کہ اپنے اِس تاریخی ٹیلے کو کھدوا کر دیکھو۔ اور اپنے آثار قدیم کی حفاظت پر متوجہ ہو اِن کو آج کل نیا آدمی بننے کا شوق زیادہ ہے۔ پُرانی چیزوں سے تو وہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔

یہی وہ "لاکھا منڈپ" ہے جو "دُہرت راشٹر" نے اپنے بھتیجوں کے واسطے بنوایا تھا۔ اور یہ ہی وہ لاکھی قلعہ ہے جس میں دریودھن نے اپنے چچازاد بھائیوں کی ہلاکت کے لئے آتشگیر مادے رکھوائے تھے۔ اور ان میں آگ لگوائی تھی۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس مقام پر سری کرشن بھی آئے ہیں۔ کیونکہ جب ان کی پھوپی رانی کنتی راجہ پانڈو کی بیوی ارجن وغیرہ کی والدہ یہاں رہتی تھیں۔ اور ایک دفعہ اُنھوں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک گنگا کے درشن نہ کروں گی (یعنی گنگا کو بہتا ہوا اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں گی) اُس وقت تک دانہ پانی نہیں کھانے پینے کی۔ کرشن جی نے ایک بان (ایک قسم کا آتشی ہتھیار) اپنی باطنی طاقت سے پھینکا اور اُس بان سے زمین کو چیر کر گنگا کی لہر نمودار کر دی۔ جس کے دیکھنے سے رانی کنتی کی قسم پوری ہوئی۔ یہ مقام "بان گنگا" کے نام سے مشہور ہے۔ اور لاکھا منڈپ سے دو ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہندو وہاں جاکر اشنان کرتے ہیں۔ میں نے بھی اِسکو موقع پر جاکر دیکھا تھا۔

دروپدی کی شادی

میں نے ابھی لکھا ہے کہ کورو اور پانچال دو قومیں تھیں۔ کوروں کا حال تو سُن لیا جن میں پانڈو اور اُس کے پانچوں بیٹے اور دُھرت راشٹر اور دریودھن تھے۔

اب پانچال کا حال سنو۔ پانچال کے راجہ دروپد کی ایک لڑکی تھی جس کا نام دروپدی تھا۔ اُس وقت کے ہندو راجاؤں میں بعض جگہ یہ دستور تھا کہ لڑکی کا باپ جب اُس کی بیٹی کی شادی کے قابل ہوجاتی تو ایک جلسہ دعوت مہیا کرتا تھا۔ جس میں دور دور کے راجہ زادے شادی کے خواستگار جمع ہوتے تھے۔ اور ان کا مجمع عام میں کسی خاص جنگی ہنر میں امتحان لیا جاتا تھا۔ جو راج کنور امتحان میں کامیاب ہوتا تو راجہ کی لڑکی پھولوں کا ہار اُس کے گلے میں ڈال دیتی۔ اور وہ اس کا شوہر منتخب ہوجاتا اس جلسۂ دعوت کا نام سنسکرت زبان میں سوسمبر ہے۔

چنانچہ راجہ دروپد نے بھی سوسمبر کا انتظام کیا۔ کیونکہ اُس کی لڑکی دروپدی شادی کے قابل ہوگئی تھی دور دور کے راجہ زادے اور راجہ اِس جلسہ میں جمع ہوئے تھے پانڈو کے پانچوں بیٹے یدہشتر۔ ارجن۔ نکل۔ سہدیو۔ بھیم۔ بھی برہمنوں کے لباس میں بھیس بدلے ہوئے اِس جلسہ میں آئے اور برہمنوں کی صف میں آکر بیٹھ گئے۔ اِس "سوسمبر" میں امتحانی شرط یہ تھی کہ تیل کی ایک کڑہائی میں ایک چکر کے اوپر مچھلی کی تصویر بنائی گئی تھی۔ چکر گردش کرتا تھا۔ اور مچھلی کو بھی اُس کے سبب قرار نہ تھا۔ اسواسطے یہ شرط مقرر کی گئی تھی کہ مچھلی کو آنکھ سے دیکھے بغیر صرف تیل میں اُس کا عکس دیکھ کر جو شخص تیر چلائے اور مچھلی کی آنکھ کو پھوڑ ڈالے دروپدی کا بیاہ اُس سے کیا جائیگا۔

امتحان کا وقت آیا۔ تو ایک ایک شہزادہ اور "راج کنوار" اُٹھتا تھا اور تیر چلاتا تھا۔ مگر کسی کا تیر مچھلی کی آنکھ پر نہ پڑتا تھا۔ اور وہ بیچارہ کھسیانہ ہوکر خاموش اپنی جگہ آن بیٹھتا تھا۔ آخر راجہ کرن تیر کمان لیکر اُٹھا تو دروپدی نے جو دربار میں موجود تھی۔ بے اختیار پکار کر "اِس رتھ بان کے لڑکے کو بٹھادو" اِسکو امتحان میں شریک نہ کردیں اِس سے شادی کرنا نہیں چاہتی" دروپدی کا یہ کہنا تھا کہ بیچارے کرن پر گھڑوں پانی پڑگیا۔ اور تمام دربار کے لوگ مُسکرانے لگے۔ اور کرن اپنا سا مُنہ لیکر اُلٹا پھرا

اور آکر بیٹھ گیا۔

جب سب "راج کنور" امتحان میں فیل ہو چکے تو ارجن کھڑا ہوا جو برہمنوں کی صف میں برہمن بنا بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اُٹھتے ہی اِس پھرتی سے کمان ہاتھ میں لیکر تیر چلایا کہ وہ سیدھا مچھلی کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اور ہدف کے پار ہو گیا۔ دروپدی نے آگے بڑھ کر پھولوں کا ہار اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ گویا اُسکو اپنی زوجیت کا سارٹیفکٹ دیدیا۔

دربار میں جس قدر چھتری نسل کے راجہ مہاراجہ بیٹھے تھے وہ سب کے سب ایکدم بگڑ گئے۔ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھدئے۔ بعض نے خنجروں کو میان سے کھینچ لیا۔ اور غضبناک ہو کر بولے "یہ کبھی نہیں ہوسکے گا کہ ایک چھتری نسل کی لڑکی کو ایک برہمن جیت کر لیجائے۔ تیر اتفاقیہ مچھلی کی آنکھ میں لگ گیا ہے ہم جیتے جی کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ایک برہمن ہماری آنکھوں کے سامنے راجپوتوں کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالے"۔

دربار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ان پانچوں بھائیوں نے بھی تلواریں میان سے کھینچ لیں اور تلخ باتوں کا جواب ترشش تلوار سے دینے پر آمادگی ظاہر کی۔

سری کرشن جی بھی اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ اِس دربار میں موجود تھے۔ فساد کی صورت دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اُنہوں نے للکار کر کہا "خبردار بیٹھ جاؤ۔ یہ برہمن شرط جیت چکا۔ دروپدی اُس کا حق ہو گئی۔ انصاف کے سامنے ذات پات کوئی چیز نہیں ہے۔ اور برہمن تو چھتری سے اونچی ذات ہے۔ کسی شخص کو اِس میں اعتراض اور مخالفت کا حق نہیں ہے"۔

کرشن جی کے چند جملے ایسے گرم اور موثر تھے کہ راجاؤں کی بھڑکتی ہوئی آگ پر

ٹھنڈا پانی بنکر پڑے۔ اور دم کے دم میں اُسکو بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔ تمام دربار نے
دروپدی کے باپ سمیت سر جھکا دیا۔ اور دروپدی کی شادی ارجن سے ہوگئی*

سری کرشن کا وقار و اقتدار

اب یہاں یہ بات ذرا سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ جو آریہ سماجی سری کرشن جی
عام
عقل دُنیا کا آدمی سمجھتے ہیں اور اُن کی مذہبی عظمت و برتری تسلیم نہیں کرتے اُن کی
تور
ل میں سری کرشن ایک بڑے مدبر اور ایک نہایت دانا و ہوشیار راجہ
اِس
تھے۔ روحانی یا مذہبی شان اُن میں کچھ نہ تھی۔ تو کیا موجودہ واقعہ میں یہ دشواری پیش
ئے گی کہ اتنے بڑے دربار میں جہاں سری کرشن جی کے مُلک سے اٹھ گنے اور دس
پانڈو
اتنے بڑے بڑے مُلکوں کے راجہ اور سری کرشن کی عمر سے بہت زیادہ بڑی
ی عمروں کے مہاراجہ موجود تھے جن میں سری کرشن کی عقل سے زیادہ عقل
پچھو
تھی۔ سری کرشن کے علم سے زیادہ علم تھا۔ سری کرشن کے فنون حرب سے زیادہ
لڑائی کے فنون جانتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی جو اُنہوں نے نوجوان لڑکے کا کہنا مان لیا۔
اور ایسے معاملہ میں مان لیا جو اُن کے خیال میں عزت و ناموس کا معاملہ تھا جس
کے لیئے وہ لوگ اور آج تک اُن کی اولاد سمی یہ راجپوت جانوں کو کھو دینا کچھ بڑی
بات نہیں سمجھتی۔ اِس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن کی کوئی مذہبی عظمت
ان لوگوں کے دل میں ضرور تھی۔ اس کے بغیر وہ ہرگز سری کرشن کا کہنا نہ مانتے
اور ایک مجہول الحال بھکاری نما برہمن کو اپنی بیٹی نہ دیتے۔ آگے جا کر اسی قسم کا
ایک اور واقعہ آئیگا۔ جہاں بھیشم پتا مہ جیسے مرد اعظم نے اس کا اظہار کیا ہے
کہ میں سری کرشن کی پوجا کرتا ہوں۔ اور بھی چند واقعات ہیں جنکا ذکر آگے جا کر
آئیگا۔ اِن سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کرشن جی کی شہرت اور عزت عقلمندی

اور آکر بیٹھ گیا۔

جب سب "راج کنور" امتحان میں فیل ہو چکے تو ارجن کھڑا ہوا جو برہمنوں کی صف میں برہمن بنا بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اُٹھتے ہی اِس پھرتی سے کمان ہاتھ میں لیکر تیر چلایا کہ وہ سیدھا مچھلی کی آنکھ پر جا کر لگا۔ اور ہدف کے پار ہو گیا۔ درو پدی نے آگے بڑھ کر پھولوں کا ہار اُس کے گلے میں ڈال دیا۔ گویا اُسکو اپنی زوجہ سارٹیفکٹ دیدیا۔

دربار میں جس قدر چھتری نسل کے راجہ مہاراجہ بیٹھے تھے وہ سب کے سب ایک دم بگڑ گئے۔ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ دئے۔ بعض نے خنجروں کو میان سے کھینچ لیا۔ اور غضب ناک ہو کر بولے "یہ کبھی نہیں ہوسکے گا کہ ایک چھتری نسل کی لڑکی کو ایک برہمن جیت کر لیجائے۔ تیر اتفاقیہ مچھلی کی آنکھ میں لگ گیا ہے ہم جیتے جی کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ایک برہمن ہماری آنکھوں کے سامنے راجاؤں کی عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالے"۔

دربار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اِن پانچوں بھائیوں نے بھی تلواریں میان سے کھینچ لیں اور تلخ باتوں کا جواب ترش تلوار سے دینے پر آمادگی ظاہر کی۔

سری کرشن جی بھی اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ اِس دربار میں موجود تھے۔ فساد کی صورت دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اُنہوں نے للکار کر کہا "خبردار بیٹھ جاؤ یہ برہمن شرط جیت چکا۔ دروپدی اُس کا حق ہو گئی۔ انصاف کے سامنے ذات پات کوئی چیز نہیں ہے۔ اور برہمن تو چھتری سے اونچی ذات ہے۔ کسی شخص کو اِس میں اعتراض اور مخالفت کا حق نہیں ہے"۔

کرشن جی کے چند جملے ایسے گرم اور موثر تھے کہ راجاؤں کی بھڑکتی ہوئی آگ پر

ٹھنڈا پانی بنکر پڑے۔ اور دم کے دم میں اُسکو بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔ تمام دربار نے دروپدی کے باپ سمیت سر جُھکا دیا۔ اور دروپدی کی شادی ارجن سے ہوگئی۔

سری کرشن کا وقار و اقتدار

اب یہاں یہ بات ذرا سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ جو آریہ سماجی سری کرشن جی بعض دُنیا کا آدمی سمجھتے ہیں اور اُن کی مذہبی عظمت و برتری تسلیم نہیں کرتے اُن کے خیال میں سری کرشن ایک بڑے مدبر اور ایک نہایت دانا و ہوشیار راجہ تھے۔ روحانی یا مذہبی شان اُن میں کچھ نہ تھی۔ تو کیا موجودہ واقعہ میں یہ دشواری پیش نہ آئے گی کہ اتنے بڑے دربار میں جہاں سری کرشن جی کے مُلک سے اٹھ گُنے اور دس گُنے بڑے بڑے مُلکوں کے راجہ اور سری کرشن کی عمر سے بہت زیادہ بڑی بڑی عمروں کے مہاراجہ موجود تھے جن میں سری کرشن کی عقل سے زیادہ عقل بھی۔ سری کرشن کے علم سے زیادہ علم تھا۔ سری کرشن کے فنون حرب سے زیادہ لڑائی کے فنون جانتے تھے پھر کیا وجہ ہوئی جو اُنہوں نے نوجوان لڑکے کا کہنا مان لیا۔ اور ایسے معاملہ میں مان لیا جو اُن کے خیال میں عزت و ناموس کا معاملہ تھا جس کے لیئے وہ لوگ اور آج تک اُن کی اولاد مسمی بہ راجپوت جانوں کو کھو دینا کچھ بڑی بات نہیں سمجھتی۔ اِس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن کی کوئی مذہبی عظمت ان لوگوں کے دل میں ضرور تھی۔ اس کے بغیر وہ ہرگز سری کرشن کا کہنا نہ مانتے اور ایک مجہول الحال بھکاری نما برہمن کو اپنی بیٹی نہ دیتے۔ آگے جاکر اسی قسم کا ایک اور واقعہ آئے گا۔ جہاں بھیشم پتا ماجیسے مرد اعظم نے اس کا اظہار کیا ہو کہ میں سری کرشن کی پوجا کرتا ہوں۔ اور بھی چند واقعات ہیں جنکا ذکر آگے جاکر آئیگا۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کرشن جی کی شہرت اور عزت عقلمندی

اور فنون حرب کی واقفیت کے سبب نہ تھی کیونکہ ان سے اس قسم کا کوئی بڑا کام اِس وقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ محض روحانی اعتبار سے عام خلقت اور ملکوں کے راجہ مہاراجہ ان کو اوتار اور پیشوائے اعظم سمجھنے لگے تھے۔ چونکہ آریہ سماج والوں کو مسئلہ اوتار سے انکار ہے۔ اِس واسطے وہ سرے سے کرشن جی کی مذہبی عظمت ہی کا انکار کردیتے ہیں۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے صاحب نے اس پر اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ موقعہ ہوا تو ان کی تحریر پر یا تو اسی کتاب میں یا اس کے دوسرے حصّہ میں ایک مفصل ریویو کر کے دکھاؤں گا۔ کہ سری کرشن ضرور ایک مذہبی آدمی تھے۔ اور ہندوؤں کو ان کی عظمت ایک دینی پیشوا کی طرح سے کرنی چاہیئے ؂

دروپدی کے پانچ خاوند

بیان کیا جاتا ہے کہ اگرچہ دروپدی کو جیتنے والا ارجن تھا مگر اُس کے شاہ پانچوں بھائی ہوئے۔ اور اُنہوں نے اپنے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ ایک ایک رات ہر بھائی دروپدی کے پاس رہے۔ یہ بیان ایسے وثوق سے ہوتا ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کرتا ؂

میرے خیال میں اس میں بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چونکہ ان پانچوں بھائیوں کے آپس میں ازحد محبت تھی خصوصاً چاروں بھائی اپنے بڑے بھائی یدھشٹر کی بہت تعظیم و عزت کرتے تھے۔ اِس واسطے اُنہوں نے اجنبیت اور غیریت کو دور کرنے کے لیے یہ سمجھوتا کر لیا ہوگا کہ ارجن کی بیوی سے دیوروں اور جیٹھوں کا سا پردا نہ کیا جائے کیونکہ ہندوؤں کے ہاں عورتیں جیٹھ اور دیور کا بہت لحاظ کرتی ہیں۔ اور شرم وحیا سے نہ اُن کے سامنے بات چیت کرتی ہیں نہ چلتی پھرتی ہیں جس کے سبب بعض اوقات نہایت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور خانہ داری کے کاروبار میں

دشواریاں پیش آتی ہیں چونکہ یہ پانچوں بھائی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا تھے بے در بے گھر صورت چھپائے کفنیاں پہنے مارے مارے پھرتے تھے۔ اس واسطے اُنہوں نے غیرت دور کرنے اور شرم وحیا کی تکالیف سے بچنے کے واسطے یہ سمجھوتا کیا ہوگا۔ کہ چونکہ ہم پانچوں ایک روح اور ایک قالب ہیں۔ ارجن بھیم ہے۔ اور ارجن یدہشٹر نکل ہے اور نکل سہدیو۔ دیکھنے والوں کو پانچ صورتیں اور صورتیں نظر آتی ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ سب ایک ہی ہیں۔ اسواسطے ارجن کی بیوی گویا یدہشٹر کی بیوی بھیم اور سہدیو کی بیوی گویا ارجن کی بیوی ۔

نہ تو غیری نہ من غیرام

تو من شدی من تو شدم　　تو تن شدی من جاں شدم

تا کس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

صرف آپس کے اخلاص و پیار کا معاملہ تھا۔ اِس میں دُنیا کی اُن باتوں کو دخل نہ تھا جو عورت مرد میں ہوا کرتی ہیں۔ اگرچہ ہر رات ایک بھائی دروپدی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ مگر دروپدی سے اُس کا وہ تعلق نہ ہوتا تھا جو ارجن کو تھا۔ ان چاروں کی اور باشیاں محض دروپدی کی حفاظت اور باہمی اتحادی فیصلہ کا عمل درآمد تھا۔ ورنہ گھرداری کے برتاؤ میں سوائے ارجن کے اور کسی بھائی کی دروپدی میں شرکت نہ تھی ۔

یوں کہنے کو بے شمار باتیں کہی جاتی ہیں۔ اور ثابت کیا جاتا ہے کہ اُس زمانہ کی رسم میں عورت کئی کئی خاوند رکھ سکتی تھی۔ اور اِس واسطے دروپدی کے ادپر پانچ خاوند رکھنے کا کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ یا اور بھی بہت سی اسی قسم کی باتیں ہیں جنکی تفصیل وار بیان کرنے کو بڑا وقت چاہیئے لیکن میرا تو اس مسئلہ میں دُنیا سے الگ عقیدہ وخیال ہے۔ اگر اُس زمانہ میں ایک عورت کو کئی خاوند کرنے کا

اختیار حاصل بھی ہو تب بھی میں یہی کہونگا کہ دروپدی جی ارجن کی بیوی تھیں۔ اور ارجن ہی نے ان کو جیتا تھا۔ اور ارجن کے چاروں بھائیوں کو دروپدی کی عرفی زوجیت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور وہ ہرگز ہرگز دروپدی سے ملوث نہ تھے۔ کیونکہ ان کے حالات زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاروں خصوصاً یدہشتر بڑے پاکباز اور نیک چال چلن کے تھے۔ اور مہابھارت کے خونریز ہنگاموں میں جس وقت کہ بڑے بڑے ایمان دار لوگ ڈگمگا جایا کرتے ہیں۔ ان بھائیوں کے قدم حق اور راستی و پاکبازی اور نیک چلنی سے چانول برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں سرکے۔

یہ جھوٹ ہے کہ دروپدی پانچ شوہروں کی بیوی تھی۔ یہ بہتان ہے کہ پانڈو کے پانچ لڑکے ایک بیوی (دروپدی) میں شریک تھے۔ کوئی کچھ ہی کہے میں تو اپنے خیال اور ضمیر کو ان پاک لوگوں پر بہتان لگانے سے بچاؤں گا۔ اور ہرگز نہ مانوں گا کہ ان لوگوں نے بھول کر بھی ایسا گناہ کیا تھا۔

اندرپرست آباد ہوتا ہے

کچھ مدت تو یہ پانچوں بھائی ارجن کے خسر راجہ دروپد کے مہمان رہے۔ لیکن جب ان کے چچا دہرت راشٹر دریودہن کے باپ نے سُنا کہ میرے بھتیجوں نے راجہ دروپد کی بیٹی دروپدی کو جیت لیا۔ اور ارجن کی اُس سے شادی ہوگئی تو دہرت راشٹر نے خیال کیا کہ میرے بھتیجوں کا ایسی بے سروسامانی میں دروپد کے ٹکڑوں پر پڑا رہنا میری بدنامی کا باعث ہوگا۔ اور خلقت کہیگی کہ اندھا بے ایمان ہوتا ہے۔ دریودہن اپنے بیٹے کی خاطر سگے بھتیجوں کو در در کی ٹھوکریں کھلوا رکھی ہیں اِس واسطے اُس نے اپنے بھائی بھیشم پیتاماسپہ سالار فوج کو اور دوسرے بھائی ودورجی کو اور تمام اہل دربار کو اپنے پاس جمع کیا۔ اور اُن سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے پانڈو کے لڑکوں کا حال

ان سب نے سُنکر جواب دیا کہ بہتر یہ ہے کہ اپنے ملک کا کچھ علاقہ بھتیجوں کو دیدیجئے اور
غیر راجہ کے دروازے پر ان کو ڈالے رکھکر اپنے خاندان کی ناک کٹائی نہ کیجئے دہرت
راشتر نے اِس مشورے کو قبول کیا۔ اور اپنے بھائی وِدُرجی کو ایلچی بناکر درَوپد کے دربار
میں بھیجا کہ وہ پانڈو کے لڑکوں اور درَوپدی کو ساتھ لے آئیں۔ جب وِدُرجی راجہ
درَوپد کے پاس پہونچے اور اُنہوں نے اُس دَہرت راشتر کا پیغام کہا تو راجہ درَوپد
نے جواب دیا کہ چونکہ دہرت راشتر نے مذہبی حکم کے خلاف اپنے بھتیجوں کے ساتھ
زیادتی کی ہے اور ان کے حقوق تلف کرنے میں دہرم کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا۔ اِس لئے
اس کا میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سری کرشن یہاں موجود ہیں اور ابھی تک دوارکا
واپس نہیں گئے ہیں ہم تم دونوں کو چاہیئے کہ اُن کے پاس چلیں۔ اور سارا حال
کہکر فتوے پوچھیں۔ اگر وہ یہ جواب دیں کہ پانڈو کے لڑکے اور درَوپدی ہستناپور
دہرت راشتر کے پاس چلے جائیں تو مجھے ان کے بھیجنے میں کچھ عذر نہ ہوگا اور اگر
ان کی رائے خلاف ہوئی تو مجھ کو اور تم کو ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ اور پانڈو
زادوں کو ہستناپور پہچانے کے لئے ضد نہ کرنی چاہیئے ۛ

(اِس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن ایک مذہبی حیثیت اور پوزیشن
ہندو عوام اور ہندو حکمرانوں میں رکھتے تھے۔ ورنہ یہ مذہبی معاملہ انپر منحصر رکھا جاتا

الغرض وِدُرجی اور راجہ درَوپد سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور
ان سے سارا واقعہ عرض کیا۔ سری کرشن جی نے فرمایا دَہرم کی روسے خطا دہرت
راشتر اور اس کے بیٹے دریودہن کی ہے۔ اُنہوں نے حقدار پانڈو زادوں کو بے حق
کیا اور دریودہن نے ان بیگناہوں کی جان لینی چاہی۔ اِسواسطے ان کا وہاں جانا
ہرگز مناسب نہیں۔ مگر دہرت راشتر ان کا بزرگ ہے۔ اور اولاد کی سعادتمندی
یہی ہے کہ ہر حال میں اپنے بزرگوں کا کہنا مانے۔ لہٰذا میں رائے دیتا ہوں کہ یہ پانچوں

ارجن کی بیوی سمیت دُرجی کے ہمراہ ہستناپور چلے جائیں"
راجہ درَوپد نے سری کرشن کے اِس حکم کے آگے سر جُھکا دیا۔ اور دروپدی کی روانہ کرنے کا سامان کرنے لگے۔ جب پانڈوزادوں نے یہ خبر سُنی تو ارجن سری کرشن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سری کرشن ارجن پر بہت مہربان تھے۔ اور اُنکو اُس کے ساتھ از حد محبّت تھی اور ارجن بھی اور سب لوگوں سے زیادہ سری کرشن کا معتقد اور فدائی تھا۔ ارجن نے عرض کیا "اگر آپ ہم کو ہستناپور جانے کی آگیا (حکم) دیتے ہیں تو ہم بسر و چشم اسکی تعمیل پر آمادہ ہیں۔ مگر ہماری یہ التجا ہو کہ حضور بھی ہمارے ساتھ ہستناپور تشریف لے چلیں تاکہ آپ کی برکت سے ہم پر خاندانی عداوتوں کا کوئی وار نہ چلنے پائے۔ سری کرشن مُسکرائے اور ارجن کی درخواست کو قبول کر لیا۔
الغرض یہ سارا قافلہ راجہ دروپد سے رخصت ہو کر ہستناپور آیا۔ اور یہاں دہرت راشٹر نے سری کرشن کے استقبال اور بھتیجوں اور بہو کی آؤ بھگت میں خوب دھوم دھام دکھائی اور چند روز کے بعد اپنے ملک کا ایک حصّہ "کھانڈو پرست" بھتیجوں کو دیدیا۔

یہاں بھی دہرت راشٹر نے ایمان اور انصاف کو بُھلا کر ایک ایسی حرکت کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو وہ اندھے ہونے کے سبب بالکل اپنے بیٹے دریودہن کے ہاتھ میں کٹ پتلی تھا یا خود اُسی کی نیت خراب تھی۔ اور لوگ اُسکو اندھا بے ایمان سچ کہتے تھے۔

"کھانڈو پرست" بالکل غیر آباد اور اُجاڑ جنگل تھا۔ یہاں سوائے صحرائی درختوں اور خونخوار جنگلی قوموں کے اور کوئی صورت آمدنی اور خوبی کی نہ تھی۔ پانڈوزادونکو جب یہ علاقہ ملا تو اُن کے دل ذرا افسردہ ہوئے لیکن کرشن جی نے اُن کو سمجھایا اور فرمایا "مرد اور بہادر وہی ہوتے ہیں جو دشواریوں اور مشکلات کو فتح کریں۔

آسائی پسند اور آرام طلب آدمیوں کا جینا دلیروں کے سامنے موت سے بدتر ہے۔ تم اس علاقہ کو لے لو اور اسکو صاف کرکے آباد کرو۔ جب تمہاری ناموری ہوگی اور تم حکومت کرنے کے قابل سمجھے جاؤ گے۔

ارجن نے عرض کیا تو آپ کو ہمارے ساتھ اُسوقت تک رہنا ہوگا کہ ہم "کھانڈو پرست" کی جنگلی قوموں کو زیر کریں۔ اور ملک سرسبز و شاداب ہو جائے۔ سری کرشن نے اس کو منظور کیا اور پانڈو زادوں کو "کھانڈو پرست" آبادکاری میں مدد دیتے رہے۔ تھوڑی ہی مدت میں "کھانڈو پرست" کی کایا پلٹ ہوگئی اور وہ دریودہن کے مقبوضہ علاقہ سے کئی حصہ زیادہ زرریز اور بارونق نظر آنے لگا۔ اُسوقت پانڈو زادوں نے ایک شہر کی بنیاد ڈالی جسکا نام اندرپرست رکھا۔

اندرپرست

یہ شہر ہمایوں کے مقبرے اور شاہجہاں کے آباد کردہ موجودہ شہر دہلی کے وسط میں آباد تھا۔ اور اب اُس کے آثار میں سوائے ایک قلعہ کے اور کچھ بھی موجود نہیں ہے یہ قلعہ "پُرانے قلعہ" کے نام سے مشہور ہے جب ہمایوں نے اِس جگہ شہر دہلی کی بنیاد ڈالی تو ہندوؤں کے اِس پُرانے اور شکستہ قلعہ کو بھی بنوایا۔ اُسوقت یہ بالکل مسمار ہو چکا تھا صرف بنیادیں نظر آتی تھیں۔ اُن ہی بنیادوں پر قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی لیکن قلعہ پورا ہونے نہ پایا تھا کہ شیر شاہ افغان کی یورش ہوئی اور ہمایوں اُس کے آگے سے شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ اور ہندوستان پر شیر شاہ کا تسلط ہو گیا۔ شیر شاہ نے بھی پایۂ تخت دہلی کو قرار دیا۔ اور اندرپرست کے قلعہ کو پورا کرکے اُس کا نام "دین پناہ" رکھا۔ قلعہ کے اندر ایک مسجد بنوائی جو ابتک موجود ہے۔ اور ایک مکان بنوایا جس کا نام "شیر منزل" رکھا اور آجکل اُسکو "شیر منڈل" کہتے ہیں۔

ہمایوں جب ایران سے واپس آیا اور ہندوستان پر اُس کا دوبارہ تسلط ہوا تو اسی "اندرپرست" قلعہ میں رہتا تھا۔ اور اسی قلعہ کی عمارت "شیر منزل" کی چھت پر سے گر کر مر گیا اور "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" تاریخ ہوئی۔ ہمایوں کے زمانہ میں علاوہ اس قلعہ کے پُرانے "اندرپرست" کی بنیادوں پر اور صدہا بڑی بڑی عمارتیں بنوائی گئی تھیں۔ جو اَب سب مٹ گئیں اور صرف اکبر کی انّا "ماہم انگا" کی مسجد مدرسہ اور "لال چوک" کا دروازہ اور جوہری بازار و موتی بازار کی چند دوکانیں اور چند امرا کی ٹوٹی پھوٹی حویلیاں باقی ہیں۔ باقی سب کچھ فنا ہو گیا۔ ان کھنڈروں کے نشان قلعہ اندرپرست کی فصیل کے نیچے کھنڈروں کی صورت میں کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ جنکے سبب اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ اور آجکل کہ ۱۹۱۷ء ہے انگریزی سرکار کی طرف سے یہ زمین ہموار کی جا رہی ہے۔ اور پُرانی بنیادیں کھُد کھُد کر غاروں اور گڑھوں میں بھری جا رہی ہیں۔ یہ سلوک صرف ناپید اور شکستہ عمارتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ورنہ جن عمارتوں کی کچھ بھی حیثیت اور نمود باقی ہے ان کی مرمت اور درستی ہزارہا روپئے کے خرچ سے ہو رہی ہے (اس تیسرے ایڈیشن کیوقت کہ ۱۹۲۳ء کا زمانہ ہے ان کھنڈروں کی صفائی بند ہے) "اندرپرست" کی بعض عمارتیں تو فصیل قلعہ کے قریب اُس سڑک کے کنارے واقع ہیں جو دہلی سے متھرا کو گئی ہے۔ اور بعض مغرب کیطرف کئی میل میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جہاں سے جی۔ آئی۔ پی۔ کی ریل بمبئی کو جاتی ہے۔ اِس ریلوے سڑک کے اور آگے بڑھ کر مغرب کے رُخ انگریزوں کے مجوزہ شہر دہلی کی عمارتیں بن رہی ہیں۔ ہموار میدان کے لیئے یہاں بھی بہت سی پُرانی نشانیاں زیر و زبر ہو گئی ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ نے با نمود عمارتوں کو بچانے کی ہر جگہ کوشش کی ہے +

اِس طول کلامی کا مقصد یہ ہے کہ ناظرین کو شہر "اندرپرست" کی وسعت معلوم ہو جائے۔ غالباً یہ شہر ہمایوں کے مقبرہ سے لیکر شاہجہانی شہر دہلی تک تین میل جمنا کے

کنارہ کنارہ پھیلا ہوا تھا۔ اور مغرب میں بھی اس کی وسعت تین چار میل سے کم نہ تھی۔ جہانگیر کے عہد تک یہ شہر آباد تھا۔ کیونکہ شاہجہانی شہر کے دہلی دروازے کے پاس جہانگیری امیر مہابت خاں کی حویلی اور مسجد کے کھنڈرات ابتک موجود نظر آتے ہیں

ہندوؤں سے درخواست

چونکہ آجکل انگریزی گورنمنٹ "اندرپرست" کے پُرانے قلعہ کی مرمت کر رہی ہے اور اُس نے وہاں کی گنوار آبادی کو اُٹھا کر دیہاتی مکانات کو صاف کرا دیا ہے اسواسطے ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ سرکار سے اِس قلعہ کے اندر اپنی ایک تاریخی لوح لگانے کی درخواست کریں۔ مسلمانوں کی یادگار تو اس قلعہ کی فصیل۔ مسجد۔ اور "شیر منزل" موجود ہے اور جو ہمیشہ مسلمان نسلوں کو یاد دلاتی رہیگی کہ یہاں ان کے بزرگ حکمراں تھے مگر ہندو نسلوں کے واسطے یہاں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے جس سے اُن کو معلوم رہے کہ یہ وہی اندرپرست قلعہ ہے جہاں ان کے شہرہ آفاق بزرگ ارجن بھیم یدہشتر رہتے تھے اور یہی وہ پاک خاک ہے جس کے ذروں پر سری کرشن جیسا ہندوستان کا مقتدائے اعظم چلتا پھرتا تھا۔

اب تک سرکاری کاغذات میں اِس رقبہ کا نام "اندرپرست" درج ہوتا ہے اور ہر قسم کی مادّی اور علانیہ دلیلیں اِس بات کی موجود ہیں کہ یہی جگہ ہندوؤں کی تاریخی افسانہ خواں ہے۔ اگر آج ہندوؤں نے توجہ نہ کی تو اُن کی نسلیں بھول جائیں گی بے خبر ہو جائیں گی۔ اور سوائے کتابوں کے انہیں معلوم نہ ہوگا کہ اندرپرست کہاں تھا۔ لوح لگ جائے گی تو ہر ہندو فرزند اُس کو دیکھے گا۔ اور اپنے بڑوں کے کارناموں کو یاد کرے گا۔ اور اِس مقامی زمین کو دل سے مٹنے نہ دے گا۔

ارجن کی دوسری شادی

جب اندرپرست آباد ہو چکا تو سری کرشن اپنے وطن دوارکا کو چلے گئے اور کچھ دن کے بعد ارجن اپنے گرو کی زیارت کرنے دوارکا پہنچا۔ سری کرشن اور اُن کے خاندان والوں نے ارجن کی خوب خاطرداریاں کیں اور مہماں نوازی کا کوئی حق باقی نہ چھوڑا۔

ارجن ابھی دوارکا میں ٹھیرا ہوا تہا کہ دوارکا کے پاس ایک پہاڑی پر کوئی میلا لگا جس میں دوارکا کے سب باشندے جمع ہوئے۔ ارجن اور سری کرشن بھی آگئے وہاں سری کرشن کی سگی بہن سوبھدرا میلے کی سیر کرتی ہوئی ارجن کو نظر آگئی۔ سوبھدرا نہایت حسین اور مہ جبین لڑکی تھی۔ ظاہر ہے جس کا بھائی کرشن ہو وہ کیسی قبول صورت عورت ہوگی۔ ارجن سوبھدرا کو دیکھتے ہی دل و جان سے فدا ہو گیا اور اُس کے چہرے پر بیتابانہ ازخود رفتگی کے آثار دیکھ کر سری کرشن جی سمجھ گئے کہ اس کا جی سوبھدرا پر آیا ہے۔ اُنہوں نے خود ہی مسکرا کر فرمایا۔ کہ "جو سپاہی دن رات جنگلوں میں پھرنے اور میدانوں میں تلوار چلانے کو پیدا ہوا ہو اُسکو عشق سے کیا سروکار ہے"؟

ارجن کو معلوم نہ تہا کہ یہ لڑکی کرشن جی کی بہن ہے اس واسطے اس نے بے تکلفی سے کہہ دیا کہ میں اُس لڑکی پر مبتلا ہو گیا ہوں جو ابھی سامنے سے گزری تہی۔ سری کرشن پھر مسکرائے اور فرمایا کہ "وہ میری بہن ہے" ارجن یہ سُنکر جھیپ گیا۔ اور گردن جھکالی۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ "اے ارجن مجھے تو کچھ بھی عذر اس میں نہیں ہے کہ اپنی بہن کے ساتھ تیری شادی کردوں۔ کیونکہ تو بڑا بہادر اور ہر اعتبار سے لائق نوجوان ہے۔ اور رشتہ کرنے میں جن خوبیوں کو

دیکھا جاتا ہے وہ سب تجھ میں موجود ہیں۔ مگر یہ میرے بھائی بند اور خاندان والے اِس قدر ضدی ہیں کہ وہ ہرگز تجھ کو قبول نہیں کرینگے خواہ میں اُن کو کتنا ہی سمجھاؤں اُمید نہیں پڑتی کہ وہ مانیں۔ اب سوائے اِس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ کہ تو چھتریوں کی راکشس رسم کے موافق سوبھدرا کو چُرالے اور چپکے سے بھگا کر لیجا۔ اور "اندر پرست" پہونچکر "راکشس" ریت کے موافق اُس سے شادی کرے۔ ارجن اِس تجویز پر آمادہ ہوگیا۔ اور ایک دن سوبھدرا کو دوارکا سے لیکر بھاگ نکلا جب ارجن بھاگ چکا تو جادو قوم کو خبر ملی اور اُس نے سنکھ بجایا۔ فوراً تمام لڑنیوالے جوان ہتھیار لیکر جمع ہوگئے۔ اور انہوں نے کہا ارجن نے ہماری ناک کاٹ ڈالی ہمیں خبر نہ تھی کہ جس شخص کے ساتھ ہم ایسی خاطر داری کا برتاؤ کر رہے ہیں وہ ہماری آبرو کا لیوا ہوگا۔ اور ہماری لڑکی کو بھگا کر لیجائے گا۔ فوراً چلو اور ارجن سے اپنی بیٹی کو چھڑالاؤ۔ اور اُس کو ایسا مزہ چکھاؤ کہ ساری عمر یاد رکھے کہ جادو قوم بے غیرت اور بزدل نہیں ہے؞

غرض ہر شخص اپنے جوش اور غصہ کو ظاہر کرنے کے لئے تلوار چمکا کر دھواں دھار تقریر کرتا تھا مگر سری کرشن چپ چاپ کھڑے مُسکراتے تھے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ سری کرشن کچھ نہیں بولتے تو کرشن جی کے بھائی بلرام آگے بڑھے اور غصہ سے بیتاب ہوکر بولے "اے کرشن تم کیوں چپ ہو؟ تم کیوں نہیں بولتے؟ تمہاری ہی وجہ سے ہم نے ارجن کی ایسی خاطر داری کی تھی۔ مگر اُس نے اِس کمینی حرکت سے ثابت کیا کہ وہ ہرگز اِس مدارات کے قابل نہ تھا۔ اُس نے تو ہمارے سروں کے اوپر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ اُس نے تو ایسی بات کی جس نے ہمارے خاندان کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ ہم ہرگز صبر نہیں کرسکتے۔ ہم بدلہ لیں گے ہم تلواروں سے کورو خاندان کا ستیاناس کر دینگے۔ اور ایک بچہ بھی اِس قوم کا زمین پر جیتا نہ چھوڑینگے۔

اے کرشن ہمارے جسم میں جادونسل کا خون ہے وہ گرما رہا ہے۔ اور انتقام انتقام کی آواز دے رہا ہے۔ تم بھی بودو۔ تم بھی بڑ ہو۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم اندر پرست کی زمین کو اُکھاڑ کر سمندر میں پھینک دینگے۔ اور دنیا کو دکھا دینگے کہ جادو قوم ناموس کی خاطر کیا کیا کچھ کر سکتی ہے"

بھائی کو بُری طرح بپھرا ہوا دیکھ کر سری کرشن پھر مُسکرائے اور بولے "اے بھائی اور اے بھائیو! ارجن نے ہماری بے عزتی نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ ہمارے خاندان میں عیوض لیکر لڑکی دینا بڑے عیب کی بات ہے۔ اس واسطے وہ اپنی دولت اور حکومت کے عیوض تم سے لڑکی نہیں مانگ سکتا تھا۔ نہ اُسکی بہادری اور عزت وشان اسکو گوارا کرسکتی تھی کہ ایک لڑکی کے لئے بلا معاوضہ تمہارے آگے ہاتھ پھیلاتا اور کنیا دان مانگتا۔ اس لیئے اُس نے تم چھتریوں کی مروّجہ چال چلی۔ وہ تمہاری لڑکی کو چھُپا کرلے گیا بے شک سوبھدرا تمہاری آبرو والی اور نامور لڑکی ہے مگر ارجن بھی گمنام اور کوئی کم ذات نوجوان نہیں ہے۔ وہ ایک شاہی نسل کا لایق فرزند ہے۔ وہ ایک ایسا بہادر آدمی ہے جس کا ثانی آج ساری زمین پر مجھ کو کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ تم کو معلوم ہے کہ تمہاری لڑکی کی عصمت شادی تک محفوظ رہیگی اور اُس میں خیانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریف شہزادے جنہوں نے لڑکیوں کو اس طریق سے بھگایا ہے۔ شادی کی رسم ادا ہوئے بغیر کبھی کسی عورت کی آبروریزی نہیں کیا کرتے۔ ارجن نے بھی ہرگز ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی ایک شریف راجکنور ہے۔ اور "راکشس" رسم کے بعد دھرم کی رو سے اسکو ہر طرح کا اختیار رہے۔ اور پھر اس میں کوئی بے عزتی کی بات باقی نہیں رہتی۔

پس میری رائے یہ ہے کہ فتنہ فساد کا ارادہ چھوڑ دو۔ ارجن سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ تم اسپر ہرگز فتح نہیں پاسکتے۔ جاؤ اور خوشی خوشی اُسکو واپس بُلا لاؤ اور

اپنی رضامندی کے ساتھ سوبھدرا کی شادی کردو۔ اگر تم لڑے اور شکست کھاکر بھاگ آئے اُس وقت البتہ بدنامی ہوگی جس طرح میں کہتا ہوں اُسمیں کچھ بھی بدنامی کی بات نہیں"

بہزار دقت کرشن جی نے سمجھا بجھا کر بھائیوں کے غصّہ کو دھیما کیا۔ اور وہ لوگ بموجب فرمان سری کرشن ارجن کو راستہ میں سے اُلٹا پھیرلائے۔ اور خوشی خوشی سوبھدرا کی شادی اُس کے ساتھ کردی۔ شادی کے بعد ارجن تو سوبھدرا کو لیکر تنہا "اندر پرست" چلا گیا۔ اور بعد میں سری کرشن کو بلرام اور تمام افسران قوم سوبھدرا کا جہیز لیکر "اندر پرست" گئے۔ جہیز میں سونے چاندی کی گاڑیاں۔ جڑاؤ زیور قیمتی کپڑے اور بے تعداد سامان تھا جب "اندر پرست" کے قریب پہونچے ارجن کے بھائی سہدیو اور نکل نے شہر کے باہر آکر بہت دھوم دھام سے مہمانونکا استقبال کیا۔ اور مہمانوں کا جلوس جھنڈوں اور پھریروں کو اُڑاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے بازار اور گلی کوچے خوب صاف کئے گئے تھے اور اُن پر چھڑکاؤ ہوا تہا۔ بازاروں اور کوچوں کے ناکوں پر پھولوں اور سبزیوں کے چمن سجائے گئے تھے۔ اور پھولوں پر گھڑی گھڑی عرق صندل چھڑکا جا رہا تہا جس سے تمام شہر خوشبو سے معطر اور مہک رہا تھا۔

سری کرشن کی پوجا

بیانات تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سری کرشن جلوس کو لیکر شہر میں داخل ہونے لگے تو دروازے کے پاس تمام بڑے بڑے علما برہمنوں اور سرداران ملک و فوج اور تاجران ذی وقار صفیں باندھ کر آگے بڑھے اور سری کرشن جی کی اُن سب نے مل کر پوجا کی۔ آریہ سماجی حضرات اس تاریخی واقعہ کا

کیا جواب دینگے؟ حالانکہ اِن کا دعویٰ ہے کہ سری کرشن کی ساری زندگی میں کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ ثبوت بہم پہونچے کہ سری کرشن مذہبی آدمی تھے جناب لالہ راجپت رائے صاحب نے اپنی کتاب "لائف سری کرشن" میں اِس بات کو بہت زور دے کر لکھا ہے کہ سری کرشن کی ساری زندگی میں مذہبی پیشوائی کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ مگر آج جبکہ اندر پرست کے دروازے کے سامنے بڑے بڑے عالم برہمن۔ بڑے بڑے ملکی و فوجی افسر بڑے بڑے راجہ مہاراجہ سری کرشن کے قدموں میں سر جھکا رہے ہیں اور کتاب "مہابھارت" تاریخی زبان میں اُس گواہی دے رہی ہے تو کیا اب بھی سری کرشن کے پیشوائے دین ہونے میں شک باقی رہ جائے گا؟

کیا دُنیادار سمدھیوں کی خاطر یوں ہی ہوا کرتی ہے۔ کہ علماء اور برہمن قدموں پر اپنا سر رکھدیں۔ حاشا و کلاّ ہندوؤں کے برہمن اگلے زمانہ میں بڑی قدر رکھتے تھے۔ اور کسی دُنیادار کے آگے اُن کا سر نہ جھکتا تہا۔ یہ سری کرشن کی مذہبی بزرگی تھی جسکے آگے برہمن بھی جھک گئے۔

جراسندھ کی ہلاکت

کرشن جی اپنی بہن کا جہیز لیکر "اندرپرست" میں آئے تو یہاں اُنھوں نے کچھ مدت قیام فرمایا۔ اور اُن کی امداد سے ارجن اور اُس کے بھائیوں نے "کھانڈو پرست" کی تمام وحشی اور جنگجو اقوام کو مسخر کر لیا یہ قومیں وہ تہیں جسکو فتح کرنے کی آج تک کسی ہندو راجہ کو ہمت نہ ہوئی تھی کیونکہ یہ اقوام تعداد میں بہت زیادہ تہیں اور نہایت سرفروش اور جانباز سمجھی جاتی تہیں۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ انکا قیام ایسے گھنے جنگلوں میں تھا جہاں کوئی شائستہ اور شہری آدمی بحالت امن بھی

جا سکتا تھا لڑنے جانا تو شے دیگر ہے۔ مگر سری کرشن کی جنگی تدبیروں اور عاقلانہ کوشش انتظامیوں کی بدولت پہلے خاردار جنگل اور بن کاٹے گئے اور اُس کے بعد ان ٹڈی دل اقوام سے معرکہ آرائی ہوئی جس سے تمام دیو زاد فرقے ارجن اور اُن کے بھائیوں کے مفتوح اور محکوم ہوگئے۔

یہ ایک ایسی فتح تھی جس نے پانڈو زادوں کی دھاک سارے ہندوستان پر بٹھا دی۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ پانڈو کے پانچوں بیٹوں کے نام سے تھرانے لگے کیونکہ ان کی سی فتوحات اور ایسی فوری فتوحات آجتک کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب نہ ہوئی تھیں۔ راجگان ہند کے مرعوب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ سری کرشن جیسا عاقل و فرزانہ اور رہنمائے دین ان بھائیوں کا پشت پناہ تھا۔ یہ پانچوں بھائی سری کرشن کے پھوپی زاد بھائی ہوتے تھے لیکن اِس قرابت کے علاوہ سری کرشن کے ساتھ اِن پانچوں کو ایسی عقیدت تھی اور اس قدر نیازمندی کے ساتھ پیش آتے تھے کہ سری کرشن بھی ان پانچوں سے زیادہ کسی سے محبت نہ رکھتے تھے۔

ان فتوحات سے یہی فائدہ نہیں ہوا کہ پانڈو کے لڑکوں کو بڑا وسیع ملک مل گیا۔ بلکہ سفادت سے بڑھ کر حاصل ہوا کہ مفتوح اقوام سری کرشن کی تدبیر سے پسران پانڈو کی مطیع اور فرمانبردار ہوگئیں۔ اور ان کو بنا بنایا ایک عظیم الشان لشکر مل گیا۔ ان ہی مفتوح اقوام میں مایا نام ایک بڑا مشہور انجنیر تھا جس کو فن تعمیر میں بڑی مہارت تھی۔ اور وہ ایسے عجیب و غریب مکان بنانے جانتا تھا جسکی نظیر ہندوستان بھر میں کہیں نہ ملے۔

جب مایا کی جان بخشی کی گئی تو اُس نے بطور شکر گزاری کے پسران پانڈو سے عرض کیا۔ کہ آپ نے میری جان کو امان دی ہے تو میں اُسکی یادگار میں ایک ایسا مکان

بنانا چاہتا ہوں جس کی مثال ہندوستان کے کسی راجہ کے ہاں نہ ہو"
مایا کی درخواست قبول کی گئی تو اُس نے پانچہزار ہاتھ کے رقبہ میں ایک دربارخانہ تعمیر کیا جس کے ستون سُنہری تھے۔ اور جس میں جواہرات اور موتی جڑے گئے تھے جن کی آب وتاب سے سورج چاند کی روشنی ماند ہوتی تھی۔

جب یہ مکان تیار ہوچکا اور دور دور سے راجہ مہاراجہ اُسکو دیکھنے آنے لگے جو اِس محل کو دیکھتا حیرت زدہ ہوجاتا۔ اور پسران پانڈو کی شوکت وعزت کے آگے سر جھکا دیتا تو یدہشتر اور اُس کے بھائیوں کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اب

راج سویگ

کرنا چاہیئے۔ تاکہ یہ رسم ادا کرکے شہنشاہی لقب اختیار کیا جائے "راج سویگ" اُس زمانہ کے راجاؤں میں ایک رسم تھی جب کوئی راجہ شہنشاہی لقب اختیار کرنا چاہتا تو پہلے راج سویگ کا جلسہ منعقد کرتا۔ اور تمام راجگان ہند کو مدعو کرکے سب کے سامنے شہنشاہ بنتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ جلسہ کرنیسے ایک سال پہلے راجہ کا ایک خاصہ گھوڑا جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا گھوڑے کو اختیار تھا جہاں چاہتا کھُلا پھرتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکو باندھتا یا اُسپر سوار ہوتا۔ جب گھوڑے کو اِس آزادی کے ساتھ پھرتے پھرتے سال بھر گزر جاتا اُس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ اب کوئی شخص گھوڑے والے راجہ کی برابری کرنے والا یا اُس سے بڑھ کر مُلک میں نہیں ہے اور اُس کے گھوڑے پر کسی شخص کو سوار ہونے یا اُسکو گرفتار کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ لہذا اب یہ راجہ اس قابل ہے کہ تمام راجگان ہند کا شہنشاہ تسلیم کیا جائے۔

پانڈو کے پانچوں لڑکوں میں بڑا بھائی یدہشتر تخت نشین اور راجہ بنا ہوا تھا اور چاروں بھائی اُس کے قوت بازو تھے۔ جب محل تیار ہوچکا اور گھوڑے کی رسم

بھی پوری ہوگئی تو یدھشٹر نے سری کرشن سے عرض کیا "اے مہاراج میرا ارادہ "راج سویگ" کرنے اور شہنشاہی لقب اختیار کرنے کا ہے۔ آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟" سری کرشن نے فرمایا "بے شک خدا نے تجھ کو ملک دولت۔ طاقت فوجیں۔ اطاعت گذار بھائی۔ اور سب کچھ وہ سامان دیا ہے جو ایک شہنشاہ کے پاس ہونا چاہیئے۔ اب ہندوستان میں کوئی راجہ تیری ہمسری کے قابل نظر نہیں آتا۔ مگر ابھی ایک کانٹا موجود ہے جب تک وہ نہ نکلے تیری شہنشاہی تمام ہندوستان میں تسلیم نہ ہوسکیگی۔ اور وہ جراسندھ راجہ ہے جس نے (۸۶) بڑے بڑے خاندانی راجاؤں کو فتح کرکے غلام بنا رکھا ہے۔ اور جس کی فوجی طاقت کا یہ عالم ہو کہ میں بھی اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور گھر چھوڑ کر جلا وطن ہوگیا۔ پہلے جراسندھ کو نیچا دکھا۔ مخلوق خدا کو اُسکی ظلمی قید سے نجات دلا۔ پھر تجھ کو شہنشاہی لقب زیب دیگا"۔

یدھشٹر یہ سُنکر چپ ہوگیا۔ اور اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اور اُس نے کہا کہ "اے کرشن جب تم جیسا ظاہری اور باطنی قوت رکھنے والا آدمی جراسندھ کی تلوار کے سامنے نہ ٹھیر سکا تو پھر میری کیا ہستی ہے جو میں اُس سے مقابلہ کروں"۔

اسپر یدھشٹر کے چاروں بھائی جوش میں آگئے اور اُنہوں نے نہایت مردانہ تقریریں کیں اور جراسندھ سے لڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ تو یدھشٹر نے کہا کہ اپنی ناموری اور شہنشاہی کے لقب کی خاطر میں ایک آباد سلطنت کو کیوں تباہ کروں۔ میرا دل اِس فعل کو گناہ اور پاپ سمجھتا ہے"۔ سری کرشن نے فرمایا "ہم تیری عزت اور شہنشاہی قایم کرنے کی غرض سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد تو اِس ظالم سے اُن ستمگاریوں کا انتقام لینا ہے جنکی ہندوستان کے ہر گھر میں دہوم ہے۔ اور جنہوں نے ہزاروں کلیجوں میں ناسور ڈالدیئے ہیں۔ میں جراسندھ سے فوجی لڑائی

نہیں لڑوں گا۔ جس میں بے گناہ سپاہیوں کی خونریزی ہو۔ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ میں ارجن اور بھیم تین آدمی جراسندھ کے پاس جائیں اور تنہا اُس سے مقابلہ کریں۔

یدھشٹر نے کہا "تم تین آدمی اتنے بڑے خونی راجہ کا مقابلہ کیونکر کرسکوگے جس کے پاس بیشمار فوجیں ہیں" سری کرشن بولے "تمہیں اس سے کچھ سروکار نہیں اسکو میں خود سمجھوں گا۔ میرے ساتھ فقط ارجن اور بھیم کو بھیجدو" یدھشٹر نے کہا "مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ شوق سے یہ دونوں آپ کے ساتھ جائیں" سری کرشن نے جب یدھشٹر کی اجازت حاصل کرلی تو ارجن اور بھیم کو تارک الدنیا برہمنوں کا سا لباس پہنایا اور خود بھی ویسے ہی کپڑے پہن لیئے اور اندرپرست سے روانہ ہو کر جراسندھ کے پایہ تخت میں پہونچ گئے۔ شہر کے دروازے کے قریب جا کر سری کرشن نے فرمایا "ہم اس دروازے میں سے داخل نہیں ہونگے۔ ورنہ ہم پر امن کی ذمہ داری عاید ہو جائے گی۔ اور ہم گویا جراسندھ کے زیر سایہ بنجائیں گے۔ اس واسطے شہر کے اندر حریف اور غنیم کی طرح جانا چاہیئے۔ کہ بہادر لوگ کبھی قاعدہ انصاف سے ادہر اُدہر نہیں ہوا کرتے" ارجن اور بھیم نے سری کرشن کی رائے پسند کی اور اُنہوں نے شہر کی فصیل کا ایک چکر لگایا۔ ایک مقام پر ان کو ایک اونچی پہاڑی سی نظر آئی جو فصیل سے لگی ہوئی تھی یہ اُس پہاڑی پر چڑھے اور وہاں سے فصیل پر اُترے اور پھر شہر کے اندر کود گئے۔ لباس ان کا برہمنوں کا تھا۔ مگر چھتریوں کی مثل پھولوں کے کنٹھے گلے میں ڈال رکھے تھے اور جسم پر عطر ملا ہوا تھا۔ یہ سیدھے جراسندھ کے گھر پہونچے اور دربانوں سے کہا "ہم راجہ سے ملنا چاہتے ہیں"۔

چونکہ اُسوقت کے سب راجہ فقیر اور برہمن کی عزت اور مہمان نوازی اپنا فرض

سمجھتے تھے اس لئے جراسندہ برہمنوں کی آمد سنتے ہی دوڑا ہوا گھر کے دروازے کے باہر آ گیا۔ اور ان عجیب برہمنوں کو دیکھ کر پہلے تو ذرا حیران ہوا۔ کہ ان کا لباس تو برہمنوں کا ہے۔ مگر پھولوں کے کنٹھے چھتریوں جیسے ہیں۔ مگر اُس نے اپنی حیرت ظاہر نہ کی اور برہمنوں کے قدموں کی پوجا کرنے کے لئے جھکنا چاہا۔ تو کرشن جی بولے ہم تیری پوجا کو قبول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم تیرے دشمن ہیں۔ اور دشمنی کے ارادے سے آئے ہیں اور اسی واسطے ہم اس شہر میں دروازے میں داخل ہو کر نہیں آئے بلکہ دشمنوں کے مانند فصیل کود کر یہاں پہونچے ہیں"

جراسندھ نے جب یہ تقریر سُنی تو بولا "میں نے تو تم کو کبھی تکلیف نہیں پہنچائی پھر تمہاری دشمنی کا کیا سبب ہے۔ میں تو رات دن ایمان اور انصاف کے کام کرتا رہتا ہوں"

سری کرشن نے جواب دیا کہ "کیا یہی تیرا انصاف ہے کہ تو نے بہت سے راجاؤں کو بلا سبب مغلوب کر کے قید کر رکھا ہے؟ اور شریفوں سے وہ کام لیتا ہے جو جانوروں سے بھی نہیں لئے جاتے۔ تیری ظلم کاریوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور اسپر تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے۔ ہم ایمان اور انصاف ہی کی خاطر تجھ سے لڑنے آئے ہیں اور ایمان ہی کے لئے لڑتے رہنا ہماری زندگی کا فرض ہے۔ ہمیں خدا نے طاقت دی ہے کہ اپنے بازو کے بل پر اور اپنے ہتھیاروں کے ہنر سے دین و انصاف کی حفاظت کریں اور تجھ جیسے رخنہ انداز معدلت کو سزا دیں اے جراسندھ تجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم تینوں برہمن نہیں ہیں بلکہ کشتری (راجپوت) ہیں میرا نام کرشن ہے اور یہ دونوں میرے ساتھی پانڈو کے لڑکے ہیں۔ ایک کا نام ارجن ہے اور دوسرے کا نام بھیم ہے۔

یا تو تو ان تمام مظلوموں کو رہائی دیدے جو تیری قید میں دوزخ کی سی تکلیفیں

اٹھائے ہیں۔ ورنہ ہم سے کشتی لڑ۔ یہ خیال نہ کیجیو کہ ہم یہاں اکیلے ہیں اور تیرے ساتھ بیشمار لشکر ہیں۔ کیونکہ ہم دین و انصاف کی خاطر لڑنے آئے ہیں خدا کی چھپی ہوئی فوجیں ہمارے دل اور ارادے کے اندر موجود ہیں۔ جنکے بل پر ہمیں یقین ہے کہ تجھ کو ہم شکست دینگے۔ اور تو ہمارے ہاتھ سے ضرور مارا جائیگا ہم دوبارہ کہتے ہیں۔ اور سمجھانے کا حق ادا کرتے ہیں کہ اپنی بدی سے باز آ۔ خدا کا خوف کر۔ اور ان قیدیوں کو چھوڑ دے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال۔

سری کرشن کی یہ تقریر سنکر جراسندھ ہنسا اور بولا اے کرشن تو جانتا ہے کہ میں نے ان راجاؤں کو لڑائی میں شکست دیکر قید کیا ہے۔ پھر میں فقط تیری باتوں کی دھمکی سے ان قیدیوں کو کیسے آزاد کر سکتا ہوں۔ میں بہادر ہوں۔ بہادر باپ کا بیٹا ہوں۔ تجھ جیسا بودا اور بھگوڑا نہیں ہوں جو ان باتوں سے سہم جاؤں چاہے تو اپنی فوجوں کو بلالے۔ اور جب تک تیری فوجیں آئیں میری مہمانی قبول کر۔ اور چاہے تو اکیلا یا تم تینوں ملکر مجھ اکیلے سے لڑلو۔ میں کسی بات سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں"

سری کرشن نے جواب دیا فوجوں کے لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہم دوسروں کے خون بہانے چاہتے تو بڑے بڑے لشکر لا سکتے تھے۔ مگر ہم تو دین اور انصاف کے لیے آئے ہیں اور اکیلے ہی لڑنا چاہتے ہیں۔ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ ہم تین ہوں اور تو اکیلا ہو۔ ہم میں سے ایک آدمی کو اپنے مقابلہ کے لیے چن لے وہی تجھ سے لڑے گا۔ اور باقی دو کھڑے ہو کر سیر دیکھیں گے۔ اگر تو نے اپنے حریف کو مار لیا تو تو فتحیاب اور ہم مفتوح اور اگر تو پچھڑ گیا تو یہ سارا ملک ہمارا اور ہم اس کے مالک جو چاہیں کریں"

جراسندھ نے کہا مجھے یہ بات منظور ہے۔ تم تینوں میں سے کون مجھ سے کشتی

لڑے گا۔ سری کرشن نے جواب دیا تو ہی ایک کو چھانٹ لے۔ یہ سُنکر جراسندھ نے تینوں آدمیوں کو دیکھا۔ اور کہا ارجن اور کرشن بہت لاغر اندام اور کمزور نظر آتے ہیں۔ یہ میری کُشتی کے لایق نہیں۔ البتہ بھیم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دیر سامنے ٹھیر جائے۔

قصہ مختصر بھیم اور جراسندھ کی کشتی قرار پاگئی اور جراسندھ کے تمام بھائی بیٹے اور راجا حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ اور برہمنوں نے قطار بناکر جراسندھ کی فتحیابی کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے تو جراسندھ نے تاج اُتارا اور کشتی کا لباس پہنکر دنگل میں اُتر آیا۔ ادہر سے بھیم بھی آمادہ ہوکر سامنے گیا۔ اور ارجن اور سری کرشن تماشائیوں میں بیٹھ کر سیر دیکھنے لگے کشتی شروع ہوئی اور صبح سے شام ہوگئی مگر کوئی حریف غالب و مغلوب نہ ہوا۔ شام کو دنگل موقوف کرکے دوسرے دن پھر کشتی شروع ہوئی۔ اسی طرح چودہ روز لگاتار کشتی ہوتی رہی اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ چودھویں دن جراسندھ تھک گیا۔ اُس کا سانس اُکھڑا اور وہ تھکن سے لڑتے لڑتے بیٹھ گیا۔ جراسندھ کے بیٹھتے ہی بھیم نے اُسپر حملہ کرنا چاہا تو کرشن جی نے بھیم کو للکارا کہ "خبردار تھکے ہوئے دشمن پر دست درازی جائز نہیں ہے۔" بھیم نے جواب دیا "جراسندھ اپنی تھکن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور لڑنے پر آمادہ ہے تو میں اُسے کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔" چنانچہ جراسندھ پھر کھڑا ہوگیا اور بھیم سے لپٹ کر کشتی لڑنے لگا۔ مگر اب کے بھیم نے جراسندھ کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ کمبخت کا کام تمام ہوگیا اور ایک ہی پٹخنے میں اُسکی جان جہنم واصل ہوئی۔ جراسندھ کے مرتے ہی دربار کے امیروں اور بھائی بیٹوں نے اِن تینوں کے آگے سر جھکا دیئے اور ان کی فتحیابی قبول کرلی۔

کیا سچّا زمانہ تھا کہ عہد اور بات کی خاطر کمزور اور بے سہارے دشمنوں کی

فتح ان لوگوں نے قبول کرلی جن میں اتنی طاقت تھی کہ ان تینوں کو کچل کر رکھ دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور جرآسندھ کے معاہدے پر ثابت قدم رہے۔

جرآسندھ مارا گیا تو سری کرشن نے بھیم اور ارجن کو رتھ میں سوار کیا۔ اور خود رتھ بان بنے۔ اور رتھ لیکر فاتحانہ قلعہ میں داخل ہوئے پہلے اُن سب راجہ مہاراجوں کو رہا کیا جو ظلم کی قید بھگت رہے تھے۔ اور اُس کے بعد ایک جگہ اقامت اختیار کی۔ رہا شدہ قیدیوں نے نذریں دکھائیں اور احسان مندی کا اظہار کیا۔ تو سری کرشن نے فرمایا کہ راجہ یدہشٹر "راج سویگ" کرنا چاہتے ہیں تم کو لازم ہے کہ اُس میں شریک ہو۔ اور بخوشی یدہشٹر کے لقب شہنشاہی کے آگے سر جھکا دو سب نے اسکو قبول کیا اور "راج سویگ" میں حاضر ہونا منظور کیا راجہ جرآسندھ کا بیٹا سہدیو بھی نذر لیکر سری کرشن کے سامنے آیا تو سری کرشن کھڑے ہوگئے اور اپنے ہاتھ سے اُسکے ماتھے پر ٹیکا لگا کر باپ کے تخت پر بٹھایا اور ملک کا تاج سپرد کرکے خود اندرپرست کو روانہ ہوگئے۔

پانچویں بیتی

تلاطم نور

روشنی کا بھونچال

آخر وہ وقت آگیا جس میں سری کرشن کے انوار باطن کو اپنے جلوے دکھانے منظور تھے۔ اور جسکے لئے خدا نے ان کو ہندوستان میں مقرر فرمایا تھا۔

اُسوقت ہندوستان کے تمام حکمراں راجہ اور کل محکوم عوام طرح طرح کے

گنا ہوں اور جہالتوں میں مبتلا تھے۔ ان میں خوبیاں تھوڑی تھیں اور خرابیاں زیادہ۔ ان کا غرور۔ ان کا گھمنڈ۔ ان کی دل آزاریاں۔ سفاکیاں اور مکاریاں حد سے بڑھ گئیں تھیں۔ اور خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ ان کی سرکشی کو خود ان ہی کے ہاتھوں پامال کرے۔ اُسکو منظور تھا کہ اُن ہی تلواروں سے جو مظلوموں کے گلوں پر ہندوستان کے جفاکار ظالم پھیرتے تھے خود ان ہی کے ہاتھوں ذبح کرائے اور دکھائے کہ خدا بیرحمی حق تلفی اور غرور و تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب کوئی قوم حد سے بڑھنا چاہتی ہے تو اُسپر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور عذاب کی ایسی ہی صورتیں ہوا کرتی ہیں جیسی اس وقت ہندوستان کو پیش آئیں ؛

سری کرشن کی ذات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظالموں کی بربادی اور تباہی کے لیئے مامور ہوئی تھی۔ اور ساری زندگی اُنھوں نے خدا کی مقرر کردہ خدمت انجام دی۔ شروع میں کنس ان کے ہاتھ سے غارت ہوا پھر جراسندھ کی ہستی پامال ہوئی۔ اس کے بعد دریودہن کی نوبت آئی جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا پاپی اور گنہگار آدمی تھا۔ اور جس کے اثر سے بے شمار انسانوں میں گنہگاری کا شوق ترقی کر رہا تھا ؛

سری کرشن کے جلوہ حرب کو متھرا میں دیکھ چکے جراسندھ کے مقتل میں سیر کرلی۔ اب آؤ ذرا دریودھن کا معرکہ بھی دیکھو۔ اور اُس عظیم الشان لڑائی کا حال پڑھو جس کا نام "مہابھارت" ہے۔ اور جس کی شہرت سری کرشن کے قدموں سے لگی ہوئی قیامت تک برقرار رہیگی۔

میں نے اس بیتی کا عنوان "نور کا تلاطم" یا "روشنی کا بھونچال" اسی واسطے رکھا ہے کہ سری کرشن جی کی زندگی کا یہ حصہ عجیب پُراسرار اور تلاطم خفی کا زمانہ تھا۔ اسی بیتی میں سری کرشن کے تمام بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ اسی بیتی میں اُس لکچر کے اُس اپدیش

کے اُس تقریر کے کرنے کا موقع آیا تہا۔ جس کے مجموعہ کا نام "گیتا" ہے اور جو آج ہندوستان کی وہ مشہور فلسفیانہ کتاب ہے جس کے سامنے یورپ اور امریکہ نے بھی باوجود فروغ علوم جہانداری کے سر جُھکا دیا ہے۔

اسی بیتی میں سری کرشن کے انجام زندگی کا بیان ہے۔ اور ذکر وفات ہو اور اسی بیتی پر اس کتاب کا یہ پہلا حصہ ختم ہو جائے گا اور دوسرے حصہ کی اللہ تعالےٰ سے خواستگاری ہوگی کہ وہ مجھے ہمت اور توفیق دے کہ مَیں "گیتا" کا خلاصہ اور اُسپر تنقید لکھ سکوں اور سری کرشن کی زندگی سے وہ نتائج نکال کر دکھاؤں جو ہندوستان والوں کو خصوصاً مسلمانوں کو مفید ہوں۔ اور جس سے انکی شاہ راہ عمل میں ایک کشادہ راستہ کا اضافہ ہو جائے۔ اور ہندوستانی اقوام آپس میں محبت سے اوقات بسر کرنا سیکھیں جو سلف گورنمنٹ حاصل ہونے کی ایک ضروری شرط ہے ؛

جھگڑے کا دروازہ

راج سویگ کا انعقاد

سری کرشن ارجن اور بھیم جراسندہ کو قتل کرکے اندر پرست واپس آئے تو تاجدار یدہشٹر اور تمام اراکین دربار کو اس فتحیابی سے خوشی ہوئی اور رفاقتین کا بہت دہوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ جب فتح کی خوشیاں ہوچکیں تو سری کرشن نے فرمایا "اَے یدہشٹر اب "راج سویگ" کا وقت آگیا۔ تو تمام ہندوستان کے راجاؤں کو بلاوے بھیج اور اس عظیم الشان جلسہ کی تیاریاں شروع کردے۔" یدہشٹر نے حسب حکم سری کرشن "راج سویگ" کا سامان کرنا شروع کیا اور جس شان کا یہ جلسہ ہونیوالا تھا اسی اہتمام سے نہایت کثیر اور قیمتی اشیاء مہیا کیگئیں جو نمود و نمائش اور مہمانوں کی

خاطرداری کے واسطے لازمی اور ضروری تہیں۔ ملک ملک کے راجاؤں کو ایلچی بھیجے گئے اور "اندر پرست" کی آرائش ہونے لگی ؛

مقررہ وقت پر یدہشتر کے چچا دہرت راشتر بھیشم۔ ودُرا اور تمام بھائی بند دروَن دریودھن کرن وغیرہ آگئے۔ باہر کے مہمانوں میں ہندوستان کا کوئی راجہ باقی نہ رہا دراوڑ اور سنگھالے کے راجہ کشمیر کے راجہ۔ بنگالے کے راجہ۔ مالوے اور سندھ کے راجہ۔ سب ہی اِس جلسہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے۔ اور کوئی ممتاز و ذی حثیت حکمراں ہندوستان کا باقی نہ رہا۔ جو یدہشتر کے "راج سویگ" میں شریک نہ ہوا ہو ؛

جس وقت تمام دربار آراستہ ہوچکا دینی سردار اور دنیادی سردار اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تو بھیشم پتامانے یہ تقریر کی۔

"اے یدہشتر سب سامان مکمل ہوچکا اب "یگ" کی رسمیں شروع کرنی چاہئیں اور وہ یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو اُس شخص کے سامنے آرگھ پیش کر جو اس تمام جلسہ میں سب سے زیادہ عزت کا مستحق ہو ارگھ چند اشیا کے مجموعہ کا نام تھا جنہیں برادہ صندل پھول اور سبزی وغیرہ چیزیں ہوتی تہیں جس کو بطور نذر کے پیش کیا جاتا تہا اُس کے بعد "ہوَن" کرنے والے پنڈتوں کے سامنے۔ پھر سدھیوں کے آگے پھر تارک الدنیا برہمنوں کے آگے۔ اُسکے بعد دوستوں کے سامنے اور راجاؤں کے سامنے یدہشتر نے پوچھا کہ اے دادا تمہیں بتاؤ کہ اِس جلسہ میں کون ایسا شخص ہے جس کو تمام دربار کے حاضرین پر فوقیت دی جائے۔ اور "ارگھ" پہلے میں اُس کے سامنے پیش کروں"

بھیشم پتامانے کہا سری کرشن کے سوا کوئی شخص سب سے بڑے درجہ والا یہاں موجود نہیں ہے۔ تو ان ہی کے آگے پہلے "ارگھ" "پیش کر" یہ فیصلہ سُنکر یدہشتر

کھڑا ہو گیا اور تمام دربار نے آوازیں دیں بہت خوب بہت اچھا۔ گویا ہر شخص نے بھیشم پتا ماکی تائید کی۔ اور سری کرشن کو اس برتر عزت کے لیے تسلیم کیا۔ مگر سری کرشن کا پھوپی زاد بھائی راجہ ششوپال والیے چیدی جو راجہ جراسندھ کا سپہ سالار تھا۔ اور سری کرشن سے جس کی بہت سی لڑائیاں ہو چکی تھیں اور جس کی منگیتر رانی رکمنی کو سری کرشن چھین لائے تھے بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بھیشم و کرشن کو بُرا بھلا کہنے لگا ۔

ششوپال نے کہا "مجھے بھیشم کی رائے سے اختلاف ہے۔ کرشن ہرگز اس درجہ اور رتبہ کا نہیں ہے۔ جیسا کہ بھیشم نے اسکو سمجھا اور کہا۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو خود کرشن کا باپ واسدیو یہاں موجود ہے۔ راجہ دہرت راشٹر راجہ درروپد بھیشم پتا ما جیسے بڑی عمر کے لوگ حاضر ہیں اگر علم وفن کی حیثیت دیکھنی ہے تو درون اچاریا۔ کرپا۔ اشوتھاما اور بہت بڑے بڑے علما موجود ہیں۔ اگر جنگجو اور بڑے راجاؤں کو دیکھنا ہے تو کرشن سے کہیں زیادہ بڑے بڑے راجہ بہادر جنگجو یہاں موجود ہیں۔ کرشن نہ کوئی بڑا راجہ ہے نہ اُسکی عمر بڑی ہے نہ وہ کوئی قوت والا بہادر شخص ہے۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا مکار اور فریبی ہے جس نے اپنے ماموں کنس کو مار ڈالا جس نے راجہ جراسندھ کو دہوکہ سے قتل کر دیا۔ پس بھیشم کی یہ تجویز کہ کرشن کو تمام دربار پر فوقیت دی جائے دراصل سب حاضرین کی توہین ہے۔ اور بھیشم نے دانستہ اس کا ارتکاب کیا ہے۔ اور یدہشتر بھی قابل الزام ہے کہ اُسکو دین دار اور حق پرست ہونے کا بڑا دعویٰ ہے مگر بھیشم اور کرشن کی خوشامد سے اُس نے بھی اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور ارگھ دینے پر تیار ہو گیا۔ میں کہونگا کہ خود کرشن اس وقت سب سے بڑا مجرم ہے جس نے یہ سب باتیں سُنیں۔ یدہشتر کی تیاری کو دیکھا مگر یہ نہ کہا کہ "نہیں میں اس لایق نہیں ہوں"۔ اس سے

معلوم ہوتاہے کہ کرشن کو نمود اور نمائش کی جھوٹی عزت کا بہت شوق ہے۔ اور وہ اسکا بھوکا ہے۔"

ششو پال یہ کہہ چکا تو بھیشم پتا مانے کھڑے ہوکر جواب دیا تجھ کو اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تو سری کرشن کا آزاد کردہ غلام ہے۔ کیا تجھ کو یاد نہیں کل کی بات ہے کہ سری کرشن نے تیرے آقا راجہ جرآسندھ کو قتل کرڈالا اور سارے ملک پر قبضہ کرلیا تہا۔ مگر اُنہوں نے پھر تاج بخشی کی اور تمہاری جانیں تم کو دیدیں کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ چھتری راجاؤں کے رواج کے موافق ایسا فاتح شخص مفتوحوں کا گرو ہوجاتاہے۔ کرشن صرف خاندانی چھتری زادہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسا چھتری راجہ ہے جس نے سینکڑوں چھتریوں کو کنس کے ظلم سے نجات دلوائی۔ اور ہزاروں لاکھوں چھتریوں کو جرآسندھ کے ظلم سے بچایا۔ وہ ملک داری اور لڑائی کے فنون میں ہم سب سے زیادہ طاق ہے وہ ہم سب سے زیادہ ویدوں کا عالم ہے۔ اُسمیں خدا کی اتنی قوتیں اور صفتیں جمع ہوگئی ہیں۔ جتنی ہم میں سے کسی ایک میں بھی نہیں ہیں۔ اسواسطے میں دوبارہ زور دیتاہوں کہ سری کرشن ہی اِس اعلیٰ اور ارفع عزت کے مستحق ہیں"

ششو پال یہ جواب سُنکر کھڑا ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لیکر دربار سے باہر چلا گیا۔ مگر یدہشتر تخت سے اُترا اور باہر جاکر ششو پال کو بمشکل پھر منا کرلایا کیونکہ ششو پال یدہشتر کا خالہ زاد بھائی تہا۔ یدہشتر کی ماں کا نام کنتی تھا اور ششو پال کی ماں کا نام سپرجیا تھا۔ اور یہ دونوں واسدیو کی بہنیں تہیں جو سری کرشن کے والد تھے*

ششو پال یدہشتر کے اصرار سے پھر دربار میں واپس آگیا اور دربار کی رسم شروع ہوئی۔ یدہشتر اُٹھا اور اُس نے بھیشم کے کہنے کے موافق سب سے پہلے

سری کرشن کے آگے "ارگھ" کی نذر پیش کی۔ نذر پیش ہوتے ہی پھر ششوپال نے بھیشم اور سری کرشن کو بے نقط گالیاں دینی شروع کیں جس سے بھیشم اور سری کرشن کے حمایتیوں کو بہت غصہ آیا اور دربار میں تقریر بازی شروع ہو گئی۔ ایکطرف سری کرشن کے فدائی ان کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ششوپال اُنکی مذمت کرتا تھا ششوپال نے بیشمار عیب سری کرشن کے نمک مرچ لگا کر مجمع کے سامنے گنوائے مگر ان کی بدچلنی کی بابت ایک لفظ بھی اُس نے نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر سری کرشن ابتدا میں گوپیوں کے ساتھ حرام کاری کرتے ہوتے تو آج ششوپال ان کے اظہار سے ہرگز نہ چوکتا۔ کیونکہ اسکو یہ سب سے بڑا جرم والزام ہاتھ آجاتا جس کا جواب سری کرشن اور اُن کے حمایتیوں کے پاس کچھ نہ ہوتا ؀

جب ششوپال کی گستاخی حد سے بڑھی تو ارجن تلوار کھینچکر کھڑا ہوا اور اُس نے کہا "اگر اب کسی شخص نے سری کرشن کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی کا زبان سے کہا تو میں اُس کا سر کچل ڈالوں گا"

سری کرشن نے ارجن کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ تم خاموش رہو جسوقت سے یہ جھگڑا شروع ہوا تھا سری کرشن چپکے بیٹھے مسکرا رہے تھے نہ اُنھوں نے کسی بات میں دخل دیا نہ کچھ بولے لیکن جب ارجن کھڑا ہونے لگا اور ششوپال نے کہا کہ "خود کرشن کیوں نہیں کھڑا ہوتا۔ اگر وہ بہادر ہے اور جیسے کہ اُس کے خوشامدی اُسکی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں واقعی وہ دلیر اور جری ہے تو ذرا سامنے آئے اور دو ہاتھ دکھائے۔ میں بھی تو دیکھوں اُسکو جنگ کے کیا کیا ہنر یاد ہیں۔ یا تم نے یونہی خواہ مخواہ اُسکو آسمان پر چڑھا رکھا ہے"

سری کرشن نے یہ جملہ سُنا تو پھرتی سے کھڑے ہو گئے تلوار میان سے کھینچ لی

اور فرمایا بس بس ہو چکا تمہارا آپے سے باہر ہونا دیکھ لیا - اب تم تلوار کا فیصلہ چاہتے ہو تو میں موجود ہوں - دل کا ارمان نکالو - اور اپنی کرنی میں کوئی کسر رکھو - خود معلوم ہو جائیگا کہ تم نے جو کچھ ابتک کہا ہے وہ حق ہے یا ناحق" ششوپال بھی آمادہ ہو کر آگے بڑھا - اور وہیں دربار میں شمشیر زنی کا دنگل آراستہ ہو گیا - ہر فریق کے حمایتی صفیں باندھکر آس پاس تماشہ دیکھنے کو کھڑے ہو گئے - پہلا وار ششوپال نے کیا - اور سری کرشن نے نہایت بے پروا ہی سے ڈھال پر اسکو روکا - اُن کے چہرے پر مطلق گھبراہٹ نہ تھی اور وہ اپنے خونخوار حریف کے سامنے ایسے کھڑے مسکرا رہے تھے گویا کچھ بات ہی نہیں ہے - ششوپال جب کئی وار کر چکا تو سری کرشن نے فرمایا "دیکھ اب ہوشیار ہو جا - وقت آن پہونچا - بچاؤ کی تدبیر کر - کہ میری تلوار بلند ہوتی ہے - ششوپال نے نہایت جوانمردی سے حریف کے حملہ کی روک تھام کرنی چاہی مگر سری کرشن کے پہلے ہی طمانچہ تیغ نے اُسکو دو ٹکڑے کر دیا - اور جو مورت ایک ساعت پہلے دربار میں کھڑی گونج رہی تھی او فحش گالیاں بک رہی تھی دو پارہ ہو کر فرش خاک پر لوٹنے لگی اور پھڑک پھڑک کر تڑپ تڑپکر ٹھنڈی ہو گئی - اُسوقت تمام دربار ایک مُنہ ہو کر پکار رہا تھا "بولو سری کرشن چندر جی کی جے" "بولو سری کرشن چندر جی کی جے"

جب اِس معرکہ کا فیصلہ ہو چکا تو راجہ یدہشتر سری کرشن اور تمام درباریوں نے بلکہ بہت عزت واحترام سے ششوپال کی لاش اُٹھائی اور اُسکو لیجا کر جلا دیا اور پھر اُس کے بیٹے کو "راج تلک" لگا کر جانشین بنا دیا - اور اِسطرح "راج سویک" کا اختتام نہایت خیر و خوبی سے ہوا - مگر جھگڑے کا در کھل گیا - ایکطرف تو ششوپال کی طرف دار دلمیں بل بھرتے ہوئے گئے اور دوسری جانب دریودھن اپنے چچا زاد بھائی کی اتنی بڑی عزت دیکھ کر حسد کے مارے کوئلوں پر لوٹتا رہا - اور دل میں سوچا کہ کسی طرح پسران پانڈو کی عزت کو خاک میں ملانا چاہیئے *

جوئے کی جانہار بازی

دربار کے بعد سری کرشن دوارکا کو چلے گئے اور تمام مہمان اپنے اپنے ملکوں کو سدہار گئے مگر دریودہن وغیرہ کچھ دن یدہشتر کے پاس ٹھیرے رہے اور وہیں انھوں نے چال بازی کی ایک بساط بچھائی جس میں یدہشتر اور اُس کے بھائیوں کی تمام حکمرانی کا ستیاناس کر دیا۔

اس بیتی کی تمہید میں پڑھا ہوگا کہ اس وقت تمام ہندو راجاؤں میں عالمگیر خرابیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جہالت۔ حسد۔ تکبر۔ کی مثال تو ابھی دیکھ لی کہ ایک بھائی ششوپال اپنے دوسرے بھائی کرشن کی عزت کو نہ دیکھ سکا۔ اور مفت میں جان گنوا بیٹھا۔ اب دوسری مثال سُنو۔ ان راجاؤں کی جاہلانہ وضعداریوں کا حال معلوم کرو۔ انکی ہاں آن تھی کہ اگر کوئی شخص راجہ سے جوا کھیلنے کی درخواست کرتا تو راجہ کی عزت کے شایان شان یہ تھا کہ وہ انکار نہ کرتا اور فوراً جوا کھیلنے بیٹھ جاتا چنانچہ دریودہن نے یدہشتر سے جوئے کی فرمائش کی اور یدہشتر نے اُسکو رد نہ کیا۔ اور جوا کھیلنے بیٹھ گیا۔ پہلی بازی ہارا تو ملک کی تمام نقدی دریودہن کی ہوگئی اور دوسری بازی ہارا تو سب ساز و سامان ملک سمیت دریودہن کو دے بیٹھا۔ تیسری بازی میں اپنی اور اپنے چاروں بھائیوں کی جان بھی ہار گیا۔ چوتھی بازی میں ارجن کی پیاری بیوی دروپدی کو داؤں میں لگایا اور اُسکو بھی ہار گیا۔ دریودہن اور اُسکے ساتھی باغ باغ ہوگئے۔ اور یدہشتر اور اُسکے بھائیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ مگر کیا ہو سکتا تھا اپنے کیئے کا علاج محال تھا۔ دریودہن نے ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ اور سر دربار مجمع عام میں رانی دروپدی کو بلوایا۔ اُسکی ساڑی کھینچی اور نہایت بے شرمی اور بے غیرتی سے دروپدی کی بے آبروئی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یدہشتر اور اُسکے بھائی یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے مگر بات اور سخن کی خاطر

کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دروپدی نے فریادیں کیں وہ چیخی۔ اپنے حمایتوں کو پکارا اور کہتی رہی کہ مجمع عام میں میری چادر کھینچی جاتی ہے۔ کوئی میری مدد نہیں کرتا۔ مگر اُسکے فریاد کرنے سے نہ دریودھن کو رحم آیا نہ اور کسی کو۔ یدہشٹر وغیرہ چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن ہار چکے تھے۔ بات دوسرے کو دے چکے تھے انکی راجپوتی آن بان یہ گوارہ نہ کرتی تھی کہ ہارنے کے بعد پھر اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں۔ اور دروپدی کو اپنا سمجھ کر اُسکو ظالم دریودھن سے بچائیں

آخر دریودھن کے باپ دہرت راشٹر نے یہ فیصلہ کیا کہ پسران پانڈو واپس جا نہار بازی کے عوض میں (۱۲) برس جلاوطن رہیں۔ اور تیرھویں سال ایسا بھیس بدلکر نوکری کریں کہ دریودھن اور اُس کے ملازم ان پانچوں کو پہچان نہ سکیں۔ اگر وہ ایسا کر سکتے تو (۱۳) سال کے بعد ان سب کا ملک دولت واپس دیدیا جائیگا۔ چنانچہ یدہشٹر۔ ارجن بھیم نکل سہدیو۔ دروپدی اس فیصلہ کے بموجب جلا وطن ہوئے۔ اور جنگلوں جنگلوں پھرنے لگے۔ اس آوارہ گردی کے زمانہ میں پسران پانڈو کے سب دوست آشنا راجہ مہاراجہ اُن سے ملتے تھے۔ اور انکی مصیبت پر کڑہتے تھے سری کرشن بھی دوارکا سے آئے اور ایک جنگل میں اُن سے ملاقات کی۔ اور جوئے کے خلاف ایک زبردست تقریر کر کے جوئے کی خرابیاں بیان کیں دروپدی نے سری کرشن کو دیکھا تو وہ بہت روئی اور سارا قصہ بیان کر کے بولی۔ کہ مجھکو دریودھن کے دربار میں چادر کھینچکر ذلیل کیا گیا اور کسی نے میری مدد نہ کی" سری کرشن نے فرمایا۔ "تو گھبرا مت میں اس زیادتی کا پورا بدلہ لونگا اور تیرا راج پاٹ واپس دلاؤں گا۔ اے دروپدی آسمان پھٹ سکتا ہے۔ زمین ٹکڑے ہو سکتی ہے ہمالیہ پہاڑ کا پاش پاش ہو جانا ممکن ہے۔ سمندر سوکھ جائے تو تعجب نہیں۔ مگر میرا قول جھوٹا نہیں ہوگا۔ میں اقرار کر کے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اور اپنا وعدہ پورا کر کے رہوں گا"

سری کرشن کے ہمراہ ان کے بھائی بلرام بھی تھے اُنہوں نے کہا کہ یدہشٹر اور ارجن وغیرہ تو اپنے عہد کے سبب جب تک جلاوطنی کی مدت پوری نہ ہو کچھ نہیں کرینگے

لیکن ہمیں چاہیئے کہ وہ ریودھن پر حملہ آور ہوں۔ اور پسران پانڈو کا ملک اُس سے چھین کر ارجن کے بیٹے ابھے منیو کو دیدیں (ابھے منیو سری کرشن کی بہن سوبھدرا کے پیٹ سے تھا)

سری کرشن نے جواب دیا "یہ ٹھیک ہے ہم ایسا کرسکتے ہیں۔ مگر یہ بات انصاف اور قاعدہ کے خلاف ہوگی۔ یدھشٹر کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ دین و انصاف برباد کرکے دنیا کی تاجداری حاصل کرے"

یدھشٹر بولا ہاں مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ میں دین اور انصاف کے سامنے حکومت کی کچھ اصل نہیں سمجھتا۔

یدھشٹر کا عہد پورا ہوا

تیرہ برس گذر گئے یدھشٹر اور ان کے بھائیوں نے اپنا عہد پورا کردیا۔ ۱۲ برس جلا وطنی میں کاٹے اور ایک سال نوکری میں۔ نوکری بھی ایسی کی کہ کسی شخص نے ان کو نہ پہچانا کہ یہ راجہ پانڈو کے شہزادے ہیں۔

دھرت راشٹر اور دریودھن کو اسکی خبر پہونچی کہ پسران پانڈو نے اپنا عہد پورا کرلیا۔ تو دریودھن نے یہ بہانا نکالا کہ تیرہویں سال ملازمت کی حالت میں میں نے ان کو پہچان لیا۔ اسواسطے ان کا عہد پورا نہیں ہوا۔ پہچاننے کا کوئی ثبوت کوئی دلیل نہ دے سکا۔ یونہی خواہ مخواہ ایک بات بنادی۔ اور پسران پانڈو نے سمجھا کہ دریودھن دراصل ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سب اسکے مکارانہ بہانے ہیں اسواسطے وہ اپنے خسر راجہ درو پد کے پاس گئے اور اُن سے سارا حال بیان کیا۔ راجہ دروپد نے سری کرشن بلرام اور اپنے تمام دوست راجاؤں کو جمع کرکے مشورہ کی ایک کونسل مقرر کی جسمیں سری کرشن نے سب سے پہلے یہ تقریر

کی کہ دہرت راشتر اور دریودہن کو پیام بھیجا جاؤ کہ وہ آدہا ملک بجز پسران پانڈو سے صلح کرلیں" بلرام نے اس تقریر کی تائید کی مگر "ستیکی" نامی ایک لیرنوجوان "راج کنور" نے کھڑے ہو کر کہا "یہ بزدلی ہے۔ یہ نامردی ہے۔ صلح کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا پانڈو کے لڑکے دریودہن سے بھیک مانگیں گے؟ کیا اُس اندھے بے انصاف دہرت راشتر کے آگے ذلت سے ہاتھ پھیلائیں گے؟ کہ آدہا ملک ہمداواسطے ہمکو دیدے۔ نہیں نہیں! ہم ہتھیاروں کے زور سے پسران پانڈو کا حق حریف کے قبضہ سے نکال لیں گے ہم اپنے بازو کی طاقت سے دروپدی کی بے عزتی کا عیوض لیں گے"

یدہشتر اور ان کے بھائیوں نے دین و انصاف کا حق ادا کردیا۔ جوئے میں اگر وہ ملک و دولت ہار گیا تو یہ اُسکا قصور نہ تہا۔ کیونکہ ہر ایک چھتری زادہ کو جب جوئے کی بازی کے لئے بلایا جائے تو اُسکا دہرم ہے کہ مُنہ نہ موڑے۔ اور بازی کھیلے۔ یدہشتر نے اُسی خاندانی رسم کے موافق بازی سے انکار نہ کیا۔ اور دریودہن نے بے ایمان و دغا باز جوا کھیلنے والے یدہشتر کے سامنے بٹھا دئے۔ یدہشتر نے جوئے میں بھی ایمانداری کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور اُس کے سامنے والے فریب و دغا سے جیت جیت گئے۔ اسپر بھی یدہشتر نے دہرت راشتر کا کہنا مانا۔ اور (۱۳) برس تک گھر سے بے گھر مارے مارے پھرے لیکن اب وقت آیا تہا کہ دریودہن اور اُسکا اندہا باپ پسران پانڈو کا حق واپس دیتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حیلے حوالے کرتا ہے۔ ٹالنا چاہتا ہے۔ اور اُسکی نیت بد معلوم ہوتی ہے بس پیالہ بھر چکا۔ اُٹھو کمر باندھ لو۔ تلواروں کو کھینچ لو۔ برچھیونکو اُٹھا لو۔ اور میدان میں جاکر دریودہن کا کچلا کچلا کرکے رکھدو۔

"ستیکی" کی اسپر جوش تقریر سے کونسل پر سناٹا طاری ہوگیا اور ہر شخص کی زبان پر "لڑائی" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ راجہ دروپد نے بھی "ستیکی" کی تائید کی۔ اور جنگ کی تجویز باتفاق عام پاس ہوگئی۔ کونسل کا جلسہ برخاست کرنے

سے پہلے راجہ دروپد نے کہا کہ میں حجت تمام کرنے کو پہلے دریودھن اور دھرت راشٹر کے پاس ایلچی بھیجکر فہمائش کروں گا اگر وہ مان گئے تو فبہا ورنہ پھر میدان میں ان کو دیکھ لیا جائے گا۔"

جب یہ تجویز طے ہو گئی تو سری کرشن اور بلرام دوارکا چلے گئے۔

دریودھن کو جب اس خفیہ جلسہ کی اطلاع پہونچی اور جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے بھی نہایت عظیم الشان جنگ کا سامان کرنا شروع کیا۔

سرہانے پائنتی کے فریادی

ادہر تو راجہ دروپد نہایت اولوالعزمی سے اسباب جنگ کی فراہمی میں مصروف تھا اور اُدہر اُس نے ارجن کو سری کرشن کے پاس بھیجا کہ وہ اُسکی مدد کرنے کیواسطے تشریف لائیں۔ مگر اتفاق کی بات ارجن روانہ ہوا تو اُدھر دریودھن نے بھی یہ سوچا کہ سری کرشن ایک خدا پرست آدمی ہیں۔ اُن کو کسی فریق کی رعایت منظور نہیں ہے جو اُن سے درخواست کرے گا وہ اُسی کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس واسطے وہ بھی دوارکا روانہ ہوا کہ سری کرشن کو اپنی حمایت کے لئے آمادہ کرلے۔ دریودھن ارجن سے پہلے دوارکا پہونچ گیا۔ اور سیدھا سری کرشن کے حجرے میں داخل ہوا۔ تو اُسنے دیکھا کہ سری کرشن سوتے ہیں اور اُن کے سرہانے اور پائنتی ایک ایک چوکی خالی رکھی ہے پہلے اُس کے جی میں آیا کہ میں پائنتی بیٹھ جاؤں مگر غرور و تکبر نے اسکی اجازت نہ دی کہ وہ سری کرشن کے پیروں میں بیٹھتا اس لئے سرہانے کی چوکی پر جا کر بیٹھ گیا ابھی سری کرشن بیدار نہ ہوئے تھے کہ ارجن بھی آن پہونچا اور وہ نہایت عاجزی اور انکساری سے اپنے گرو کے پائنتی سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سری کرشن کی آنکھ کھلی اور سب سے پہلے ان کی نظر ارجن پر پڑی کیونکہ وہ پائنتی بیٹھا تھا۔ ارجن نے

کہا فریاد۔ سرہانے سے دریودھن بولا سیری بھی فریاد ہے میں ارجن سے پہلے آیا ہوں سری کرشن نے فرمایا "بے شک حق مقدم دریودہن کا ہے کہ اسکی امداد کی جائے کیونکہ وہ پہلے آیا ہے مگر نگاہ پہلے ارجن پر پڑی۔ اسواسطے ارجن کی مدد مقدم ہے۔ اس کے علاوہ دریودہن تکبر اور غرور کا خطا وار ہے۔ وہ میری پائینتی گھمنڈ کے سبب نہ بیٹھا۔ اور خدا گھمنڈ کرنیوالے کو ہمیشہ نیچا دکھاتا ہے ؛

مگر اے دریودہن اور اے ارجن۔ میرے نزدیک تم دونوں یکساں ہو اور میں دونوں کی مدد پر آمادہ ہوں۔ ایک طرف میرے ہتھیار اور میری فوجیں ہیں اور دوسری جانب میں خود اکیلا ہوں۔ اس فیصلہ کا حق میں ارجن کو دیتا ہوں اگر وہ میری فوجوں کو اور ہتھیاروں کو لینا چاہتا ہے تو لیلے میں بغیر ہتھیار کے دریودہن کے ساتھ رہوں گا۔ اور اگر ارجن فقط مجھ کو چاہتا ہے تو میری سپاہ دریودہن لیجائے میں اس لڑائی میں ہتھیار نہیں چلاؤں گا۔ اور چپ چاپ سیر دیکھوں گا"

ارجن نے کہا مجھے آپ کی فوجیں درکار نہیں ہیں۔ اے سرتاج گروہ میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں" دریودہن ارجن کے فیصلے سے بہت خوش ہوا۔ اور دل میں خیال کیا کہ ارجن بڑا بے وقوف ہے۔ ایک آدمی کو لے لیا۔ اور لشکروں کو چھوڑ دیا۔ اور سری کرشن کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے اور فوجیں لیکر اپنے ملک کو روانہ ہو گیا۔ جب دریودہن چلا گیا تو سری کرشن نے ارجن سے پوچھا کہ "تو نے مجھ نہتے کو کیوں پسند کیا۔ میری فوجیں کیوں نہ مانگیں۔ ارجن نے جواب دیا ایک عقلمند آدمی دو لاکھ بیوقوفوں پر بھاری ہے" آپ کی فوجوں کو تو میں اکیلا شکست دے سکتا ہوں مجھے ان کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے تو آپ درکار تھے کہ آپکی زبان میں اور آپ کی ذات میں بیشمار افواج وہتھیار موجود ہیں" سری کرشن مسکرائے اور ارجن کی دانشمندی کی داد دی۔ اور پھر فریقین کی امداد کے لیئے روانگی کا سامان ہونے لگا۔ مگر سری کرشن کے

بھائی بلرام نے کسی فریق کا ساتھ دینا منظور نہ کیا۔ غرض سری کرشن کی فوج
دریودھن کیساتھ گئی۔ اور سری کرشن ارجن کے ہمراہ راجہ دروپد کے ہاں چلے گئے؞

دریودھن کا سفیر

دریودھن بڑا ہوشیار و چالاک تہا۔ اُس نے دیکھا۔ یدھشٹر نرم دل اور نیک
مزاج آدمی ہے۔ خدا اور آخرت کے خوف سے جلدی متاثر ہوجاتا ہے اُس کے پاس
ایک سفیر کو بھیجنا چاہیے جو لڑائی اور رفتہ فساد کی بُرائیاں بیان کرکے اُس کے دل کو
لڑنے سے بیزار کردے۔ یدھشٹر کا دل جنگ سے ہٹ گیا تو دشمن کی تیاریوں میں رخنہ
پڑجائیگا اور میں آسانی سے اُسکو شکست دے سکوں گا؞

اس کے علاوہ دیکھنے والے اور سُننے والے مجھ کو حق پر تصور کرنے لگیں گے اور
کہیں گے دریودھن کی نیک دلی میں کچھ شبہ نہیں۔ اس نے تو بہت چاہا کہ بھائیوں
اور رشتہ داروں میں خانہ جنگی کی تلوار نہ ڈالے۔ چنانچہ صلح کی سفارت تک
اس نے بھیجی مگر جب پسران پانڈو نہ مانے تو دریودھن مجبور ہوگیا اور لاچار ہوکر
اُس نے تلوار میان سے کھینچی؞

دریودھن نے سفارت کا منصوبہ سوچا تو ایسے شخص کو سفیر بنایا جو ترک دنیا کا
وعظ خوب کہہ سکتا تہا۔ لیکن سیاسی اُتار چڑھاؤ اور رنبائے فساد کی باریکیاں سلجھانے کا
اُسکو کچھ سلیقہ نہ تہا۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ دریودھن کی نیت مکارانہ تھی اور
وہ اس بہانہ سے حریف کے جنگی ارادوں کو کمزور اور ڈھیلا کرنا چاہتا تہا۔ مگر یہ
نہ جانتا تہا کہ غنیم کا مشیر کار بھی ہندوستان کا سب سے بڑا مدبر ہے۔ اور اس
کے سامنے کوئی جنگی فریب چل نہیں سکتا؞

دریودھن کے سفیر کا نام سنجے تھا جب سنجے راجہ دروپد کے دربار میں آیا تو

اُس کی خوب خاطر و مدارات کی گئی اور پیغام سفارت سننے کو ایک جلسہ منعقد ہوا
سنجے نے اپنے ترکش کے تیر زبان سے نکالے۔ یعنے ترک دنیا اور عالم کی
فنائیت کا لکچر دینا شروع کیا جیسے سوا اُسے کچھ نہ آتا تھا۔ اور اپنی دانست میں ایسی
ایسی تقریر کی کہ پتھر کا دل بھی موم ہو جائے خواہ کیسا ہی حریص دنیا ہو سنجے کا بیان
اس قدر مؤثر تھا کہ اُسکو سُنکر دل دنیا کی خواہش سے ہٹ جانا یقینی تھا۔
سنجے نے یاد دلایا کہ " دریودھن تمہارا بھائی ہے۔ اس کے لشکری افسر بھیشم پتا
درون۔ تمہارے بزرگ۔ اور اُستاد ہیں۔ اسکی فوج میں سب تمہارے بھائی بند
نظر آتے ہیں۔ حکومت دنیا کی خاطر چندروزہ عزت و جاہ کی طمع میں اُن کے خلاف
ہتھیار نہ اُٹھاؤ۔ یہ دنیا آنی جانی ہے۔ ہمیشہ کوئی اس جہان میں نہیں رہا۔ چار دن کے
جینے کی خاطر بھائیوں کے خون کا بہانا بڑا گناہ ہے اور پاپ ہے۔ یہ خیال چھوڑ دو
اور لڑائی سے باز آؤ۔"

سنجے کا جادو چل گیا تھا اگر سری کرشن اُسکا اُتارہ کرتے جلسہ کے حاضرین
پر سنجے کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص کا ارادہ بدلنے لگا۔ اور دنیا کی حکومت و عزت
خواب و خیال اور ہیچ نظر آنے لگی۔ مگر سری کرشن نے کھڑے ہو کر چند جملوں میں
سنجے کا تانا بانا توڑ کر رکھ دیا۔ اور دربار کے خیال کو آناً فاناً میں کچھ کا کچھ بدلدیا۔
انہوں نے فرمایا " سنجے جی! یہ سچ ہے کہ زندگی اور اُسکی حکومت و عزت اسکے
واسطے گناہوں کا خون بہانا خصوصاً اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنا
بُرا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بقا اس جہان میں کسیکو نہیں جس کے لئے وہ ایسے
بڑے بڑے گناہ کرے۔ مگر جس شخص کی حمایت میں تم نے یہ تقریر کی وہ خود ہی
اس فساد کا بانی ہوا ہے۔ اسی نے دولت اور جاہ و جلال حکومت کے ہاتھ
انصاف اور ایمان فروخت کیا ہے۔ وہی اپنے بھائیوں اور کنبہ والوں کے

خونریزی پر آمادہ نظر آتا ہے۔ تم یہ باتیں پہلے اُسکو سُناؤ۔ پیچھے اُس کے سامنے وہ نصیحت اور انجام آخرت دکہانے کی دریودہن کو ضرورت ہے۔ ہم سب اسکو اچھی طرح جانتے ہیں اور مانتے ہیں ؛

کیوں سنجے مہاراج! کیا تم دریودہن کے مشہور کارناموں کو نہیں جانتے۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ اس نے اپنے سگے چچازاد بہائیوں کے ساتھ کیسی کیسی بدسلوکیاں کی ہیں۔ کئی بار ان کی جان لینے کا ارادہ کیا۔ برسوں ان کو جلاوطن رکھا۔ اور جب اُنہوں نے اپنی محنت اور عقل سے ایک ملک آباد کیا تو دریودہن نے مکرو فریب کے جوئے سے اُسکو چھین لیا۔ اور اپنے بھائیوں کو بھکاری فقیر بنادیا۔ دریودہن کے باپ دہرت راشٹر نے اپنے بھتیجوں کے حق کو نہ پہچانا۔ اور ہمیشہ اپنے بیٹے دریودہن کی پاسداری کی ؛

یاد کرو کیسی بے حمیتی کا وقت سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب دروپدی کو بھرے دربار میں ذلیل کیا گیا۔ اُس کی چادر اُتاری گئی۔ اور چادر سے برہنہ کرکے ایک ستم رسیدہ عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ عورت کون تھی۔ سُنو وہ راجہ دروپد جیسے طاقت والے راجہ کی بیٹی تھی۔ وہ ارجن جیسے بہادر کی بیوی تھی۔ اور میں کہوں گا کہ وہ بے غیرت دریودہن کی بھی بھاوج تھی۔ کیا دریودہن ایسا بے شرم ہوگیا تھا۔ کیا اُسکی آنکھوں پر دشمنی کی ایسی پٹی بندھ گئی تھی کہ بھائیوں کی عداوت میں اُس نے ایک بیگناہ عورت کی بے پردگی ایک عزتدار خاتون کی بے آبروئی کو دیکھا اور گوارا کیا وہ عورت چیختی رہی اُس نے فریاد کی اور حمایتیوں کو پکارا مگر کسی نے اُسکی مدد نہ کی کسی نے اُسکو اس قابل شرم ہتک سے نہ بچایا۔ کیا یہ دریودہن کی ایمانداری تھی۔ کیا یہی کام غیرت اور انصاف والے راجہ کیا کرتے ہیں۔ دریودہن کو تو مناسب تہا کہ وہ اپنے بزرگوں کی آن بان کو، موافق عورت اور اپنی بہاوج کی ذلت نہ دیکھ سکتا۔ گو اس کے خاوند

سے عداوت ہوتی۔ مگر اسنے اپنی خاندانی روایتوں پر پا کو خاک میں ملا دیا۔ وہ بھول گیا کہ اس کے بڑے ایسے کمینے نہ تھے۔

سنجے مہاراج! آپ بھی تو اس وقت موجود تھے۔ آپ نہیں نے بھی دریودھن کو منع نہ کیا۔ اُس وقت ترک دنیا کا لیکچر کہاں چلا گیا تھا۔ جو آج ہمارے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔

ہم بہادر چھتری ہیں۔ اور چھتری لڑائی کو اپنا زیور جانتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ جنگ میں مرنا جنت میں جانا ہے۔ ہم ظالم۔ غاصب۔ اور گنہگار کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے ہیں۔ ہمارا ارادہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ہم خدائی قواعد کی حمایت میں تلوار میان سے نکالتے ہیں بے انصافی کی۔ ظلم و بے غیرتی کی حد ہو چکی ہے۔ اب ہم میدان جنگ میں اس کو نیچا دکھائیں گے۔ اور اپنے بازو کی قوت اور ہتھیاروں کی طاقت سے خدا کے اس دشمن اور انصاف کے حریف کو شکست دینگے"

سری کرشن جی کی اس تقریر سے سنجے چپ ہو گیا، اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور کچھ جواب بن نہ پڑا۔

دربار پر بھی اس لیکچر کا بڑا اثر ہوا۔ یا تو سب کے سب سنجے کی باتوں میں آگئے تھے یا ایکدم خیالات بدل گئے۔ اور لڑائی لڑائی کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

سری کرشن سفارت کے روپ میں

سنجے رخصت ہوا تو سری کرشن نے تجویز کی کہ ہمارے ہاں سے بھی بطور اتمام حجت دریودھن کے پاس سفارت جانی چاہیے۔ اور میں یہ خدمت انجام دوں گا۔

ا پر آمادہ نظر آتا ہے۔ تم یہ باتیں پسند کیا۔ اور سفارت کی تیاریاں ہونے لگیں تو سری
ت اور انجام آخرت دکھا رمایا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تو صلح کا خیال کرکے جنگی تیاری ہیں
چھی طرح جانتے ہیں اور مائر ہرگز اُمید نہیں ہے کہ ظالم دریودھن صلح پر آمادہ ہوگا۔ وہ
ل سچے مہاراج! کیا تم راہ راست پر نہ آئے گا۔ میں حجت پوری کرنے جاتا ہوں تاکہ
خبر نہیں کہ اس نے لوں کے سامنے یہ کہہ سکوں کہ خونریزی سے بچنے کی آخر دم تک
لئی باران کی جان کی۔ ورنہ جانتا ہوں دریودھن کے دل پر۔ دماغ اور عقل پر گناہ
ہوں نے اپنی پردے ڈال دئے ہیں۔ وہ ہرگز صلح منظور نہ کرے گا۔ وہ آسانی سے
کے جو کے
سرے کا حق نہ دیگا"
نا کہ ا
یدہشٹر اور اُس کے بھائیوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دریودھن سری کرشن کی
جان کو صدمہ نہ پہنچائے۔ اِس واسطے اُنہوں نے ادب کے ساتھ درخواست کی
کہ آپ نہ جائیے ہم کسی اور کو سفارت پر بھیج دینگے ہمیں ڈر ہے کہ دریودھن
آپکے ساتھ کچھ آزار دہی سے پیش نہ آئے۔

سری کرشن نے مسکرا کر فرمایا "خاطر جمع رکھو۔ وہ میرا بال بیکا نہیں کر سکتا میری
طرف سے مطمئن رہ کر جنگ کی تیاری میں جی لگاؤ۔ ایسا نہ ہو سامان حرب کی فراہمی
سے غافل ہو جاؤ۔ کہ یہ ہی بڑی چیز ہے جس سے ہم ظالم پر فتح پا سکیں گے"

سری کرشن روانہ ہوئے تو یدہشٹر نے احتیاطاً ایک ہزار سوار اور ایکہزار
پیادے بطور باڈی گارڈ ان کے ہمراہ کر دیئے۔

جس وقت سری کرشن ہستناپور پہنچے۔ دریودھن نے بڑی شان و شوکت
سے اُن کا استقبال کیا۔ اور خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ مگر سری کرشن
نے نہ دریودھن کا کھانا کھایا۔ نہ شربت پیا۔ اور درون اچاریہ کے پاس جا کر
ٹھیر گئے جو برہمن اور تمام جنگی شہزادوں کا اُستاد تھا۔

دریودھن نے بہت عاجزی سے اس کا سبب پوچھا کو خاک میں ملا دیا۔ وہ بھول کے طرفدار نہیں ہیں تو میرا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟

سری کرشن نے فرمایا "ہاں میں کسی فریق کا ساتھی نہیں بھی دریودھن کو منع خاندانی جھگڑے میں کوئی ذاتی تعلق ہے۔ مگر تجھ کو گنہگار اور ہمارے سامنے تیری بے انصافی کا مجھکو یقین ہے۔ اِس واسطے مجھ کو تیرے ہاں کھ نہیں"۔ اِس کا ایمان

دھرت راشٹر نے پیغام سفارت سننے کو دربار آراستہ کیا جہاں ونگار کے بھیشم پتامہ۔ درون اچاریہ۔ کرن۔ اور دریودھن کے دوسرے سب بھائی حسبِ قواعد تو سری کرشن نے دھرت راشٹر کو مخاطب کرکے ایک ہوا ں دھار تقریر کی جس میں پسران پانڈو کی بیگناہی اور دریودھن کے مظالم کا ذکر کیا۔ اور فرمایا "پسران پانڈو خواہ مخواہ لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان کا حق ان کو مل جائے تو وہ ہرگز بھائیوں کے خلاف تلوار نہ اُٹھائیں گے۔ مجھ سے تو اُنھوں نے یہاں تک کہدیا ہے کہ ہم کو تو صرف شہر اندرپرست دیدیا جائے۔ ہم اُسی پر قناعت کریں گے یا اور کوئی ٹکڑا زمین کا مل جائے تاکہ ہم وہاں صبر سے زندگی کے دن پورے کرلیں اے راجہ اپنے خاندان کی انصاف کاریوں کو بٹہ نہ لگا جو سارے ملک میں چاند سورج کی طرح روشن ہیں۔ اور حریص بیٹے کیخاطر اپنی عاقبت اور دنیا کی عزت برباد کرو"

دھرت راشٹر نے جواب دیا۔ مہاراج! میں کیا کروں دریودھن میرا اور میری بیوی گندھاری یعنے اپنی ماں کا کہنا نہیں مانتا۔ ہم نے تو بہت سمجھایا۔ اب تم بھی اُسکو نصیحت کر دیکھو۔ میں تو بے بس ہوں۔

اسپر سری کرشن دریودھن کی جانب مخاطب ہوئے جو دربار میں اپنی جگہ بیٹھا تھا اور اُسکے سامنے دھرت راشٹر سے زیادہ مؤثر تقریر کی۔ اور آخر میں فرمایا تو آدھا

ملک اپنے بھائیوں کو دیدے۔ پسران پانڈو تیرے چچا زاد بھائی ہیں۔ اصل حقدار وہی اِس ملک کے ہیں کیونکہ ان کا باپ اِس ملک کا مالک تھا۔ مگر اسکے باوجود وہ یہانتک آمادہ ہیں کہ تیرے باپ دہرت راشتر کی شہنشاہی قبول کرکے باجگزار راجہ کیطرح رہیں۔ اور تجھ کو شہنشاہ کا ولیعہد مانیں۔ تاکہ باپ کے بعد تو اُن کا شہنشاہ بنایا جائے۔

دیکھ لڑائی سے باز آ۔ یہ بُری چیز ہے تم سب برباد و تباہ ہو جاؤگے۔ پسران پانڈو ہرگز زیادتی نہیں کرتے۔ وہ از حد عاجزی سے جھکا رہنا پسند کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ اب بھی تو صلح قبول نہ کرے۔ اور اُن کو اُن کا تھوڑا سا حق بھی نہ دے"

سری کرشن کی اِس نرم گفتگو کو سُنکر تمام دربار ایک مُنہ بول اُٹھا۔ مہاراج سچ فرماتے ہیں۔ دریودہن کو ماننا چاہیئے۔

بھیشم پتامہ نے کھڑے ہوکر ایک پُرزور تقریر میں بھتیجہ کو سمجھایا اور سری کرشن کو راہ راست پر بتایا۔ درون اچاریہ نے اور ودُرجی نے بھی دریودہن کو سرِ دربار اِسی قسم کی نصیحتیں کیں مگر وہ کافر نہ مانا اور بگڑ کر بولا۔

"کیا تماشہ کی بات ہے سب لوگ مجھی کو الزام دیتے ہیں۔ میرے ہی سر پر تمام گناہوں کا بوجھ رکھتے ہیں۔ سری کرشن تو خیر دشمن کے ایلچی ہیں جو چاہیں کہیں تعجب اپنے باپ پر ہے کہ وہ بھی مجھ کو خطاوار سمجھتے ہیں۔ بزرگ بھیشم پتامہ۔ چچا ودرجی۔ گرو درون۔ سب نے ایکا کرلیا ہے جو ہے مجھ کو مورد الزام کرکے نصیحت کی زبان کھولتا ہے۔ کیا دُنیا سے انصاف جاتا رہا۔ کیا دنیا میں عقل اور غور کا مادّہ باقی نہیں رہا۔ کیا اتنے بڑے بڑے دانا اور عقلمند اور مشہور منصف مزاج عالم ناحق شناس ہوگئے۔

میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ میں نے کونسی حق تلفی کی ہے۔ آخر کوئی بتائے تو سہی کہ میرا قصور کیا ہے۔ یدہشٹر نے خود جوا کھیلا۔ اور خود اُسی نے اپنی سلطنت اور دولت کو جوئے میں ہارا۔ ایک دفعہ وہ ہار گیا تو میں نے برادرانہ محبت کے خیال سے وہ دولت واپس دیدی۔ مگر اُس کو پھر قسمت آزمانے کا شوق ہوا اُس نے پھر بازی لگائی۔ اور سب کچھ ہار گیا۔ خود اُسی نے جلا وطنی کا قول دیا۔ خود ہی جلاوطن ہوا۔ میرا اِس میں کیا دخل تہا۔ اُسی کے کرتوت اُس کے سامنے آئے ۔

مگر میں اسپر بھی اُسکو اپنا بھائی سمجھتا تھا۔ اُس کی مسافری اور تکلیف سے کُڑھتا تھا اگر وہ میرے پاس آتا تو اپنا راج بنا بنایا پاتا۔ لیکن وہ تو میرے خاندانی دشمنوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اس نے اُس حکومت کے سایہ میں اپنا سر جھکایا جو صدہا سال سے ہمارے خاندان کی حریف اور غنیم تھی۔ جنکے بزرگوں سے ہمارے بزرگوں کی ہمیشہ تیغ زنی ہوتی آئی ہے۔ اور کبھی ہمارا سر اُن کے آگے نہیں جھکا۔ آج پسران پانڈو نے اتنی بڑی بے غیرتی کی کہ خاندانی دشمن کے دامن تلے چلے گئے اور اس کے بل پر مجھ سے جو ان کا بھائی ہوں لڑنا چاہتے ہیں اُنہوں نے کیسے گوارا کیا کہ ہمارا جدی دشمن ہم پر تلوار اُٹھائے اور وہ اُس کے ساتھ ہوں ۔

دروپدی کو میرے بھائی ارجن نے فتح کیا تہا۔ میری عین خوشی تھی کہ حریف راجہ کی بیٹی کمال جنگ سے حاصل کی۔ لیکن اسکی بے پردگی کچھ ہوئی تو اسکا شکوہ کیوں کیا جاتا ہے۔ وہ دشمن کی بیٹی تھی اور ہمارے گھر میں لونڈی بنکر آئی تھی سری کرشن اسکی تو اتنی حمایت کرتے ہیں اور ہماری خاندانی آن بان کا خیال نہیں کرتے ۔

میں چھتری ہوں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ لڑائی میں مرنے والا جنت میں جاتا ہے۔ میں اپنے خاندانی دشمن سے لڑوں گا۔ اور اُسکو دکھا دونگا کہ کورو خاندان

میں پانچال خاندان کو نیچا دکھانے کی اب بھی طاقت موجود ہے۔ اگر میرے بے غیرت بھائی اُس کے ساتھ ہیں تو کچھ پروا نہیں ہے۔ میں سب کو دیکھ لوں گا اور آدھا ملک کیا۔ ایسی صورت میں تو سوئی کے ناکے کے برابر بھی میں اُنکو نہ دونگا"

دریودھن یہ تقریر کر کے دربار سے اُٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا گیا۔ اُس کے ساتھ اُس کے بھائی اور تمام ہمخیال لوگ بھی چلے گئے ۔

تو سری کرشن نے فرمایا "جب ہرت راشٹر باپ۔ گندھاری ماں بھیشم پتامہ جیسے بزرگ۔ درون جیسے اُستاد گرو اور تمام لوگوں نے دریودھن کو سمجھانے کا حق ادا کر دیا تو اب سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں کہ اس نادان کو قید کر لیا جائے تاکہ یہ خانگی فتنہ وفساد بڑھنے نہ پائے۔ وہ کہتا ہے راجہ درو پد خاندانی دشمن ہے مجھے اسپر ہنسی آتی ہے جب اس نے بیٹی دیدی تو دشمنی کہاں رہی دریودھن نے یہ غلط کہا کہ دروپدی لونڈی کے مثل ہے۔ ارجن نے اُسکو امتحان میں جیتا ہے لڑائی میں نہیں جیتا۔ دریودھن کو ایسے الفاظ کہنے مناسب نہیں۔

الغرض سری کرشن دربار سے اپنی قیامگاہ پر آ گئے۔ اور دہرت راشٹر یا کسی اور کو ہمت نہ ہوئی جو دریودھن کو قید کرتا۔ اور اس فتنہ کو دبایا جاتا۔ بلکہ دریودھن نے خود سری کرشن کو گرفتار کرنا چاہا اور اُس کے لیئے زبردست سازش کی۔ مگر خبر کھل گئی سری کرشن کے ہمراہی ہوشیار ہو گئے۔ اور سری کرشن نہایت آرام اور بے پرواہی سے روانہ ہو کر راجہ درو پد کے پاس واپس آ گئے اور دشمن اُنکا ایک بال بھی ٹیڑھا نہ کر سکے ۔

اِس سفارت کے زمانہ میں سری کرشن رانی کنتی سے بھی ملے جو پسران پانڈو کی والدہ اور سری کرشن کی پھوپی تھیں۔ اور دہرت راشٹر کے پاس رہتی تھیں کنتی رانی نے چودہ برس سے بیٹوں کو نہ دیکھا تھا اور وہ از حد بے قرار تھیں۔

اُنھوں نے بہت چاہا کہ باہمی خونریزی بھائیوں میں نہ ہو۔ مگر تقدیر کو تو یہی منظور تھا!

لڑائی کا سنکھ بجگیا

تلوار تڑپ کر میان سے باہر نکل آئی۔ فوجیں نقل و حرکت کرنے لگیں ہندوستان کے وہ بادل کونہ سے اُٹھنے لگے جنکو مہا بھارت میں خون کا مینہ برسانا تھا لشکروں کی آندھیاں گرد و غبار اُڑاتی ہوئی چاروں طرف سے اُٹھیں۔ فوجوں کے بگولے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

سری کرشن نے سفارت کا انجام سُنا یا تو پدھشٹر سپاہ کو لیکر ہستناپور کی جانب بڑھا۔ راجہ دروپد کا بیٹا دھرشٹ دیومن سپہ سالار بنا جتنے آس پاس کے راجہ تھے۔ یا میل جول کے فرمانروا تھے وہ سب ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ اور ہستناپور پر دھاوا بولدیا۔ اِدھر سے دریودھن بھی تلوار گھسیٹ کر کھڑا ہوا۔ دور دور کے راجہ مہاراجہ کمک کو دوڑے جنکو سری کرشن سے خدا واسطہ کا بیر تھا اپنے اپنے لشکر لیکر دریودھن کی سپاہ میں آن ملے اور ایک کالی گھٹا کی طرح اُمنڈتے ہوئے چلے۔ بھیشم پتامہ سنیاپتی یعنی کمانڈر انچیف تھے دروناچارج جیسے مہا رتھی کرن جیسے بہادر رنبیر دانا ساتھ تھے۔

کرن ارجن کا سوتیلا بھائی تھا مگر کسی شبہ کے سبب خلقت اسکو ارجن کا بھائی تسلیم نہ کرتی تھی یہی وجہ تھی کہ سوئمبر کی رسم میں دروپدی نے اسکے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا تھا جسکا کرن کو از حد خار تھا۔ اور وہ ارجن کی جان و آبرو کا دشمن بنا رہتا تھا۔ دروپدی کی بے چادری والی توہین میں بھی کرن کا ہاتھ تھا۔ اور کرن اپنے بھائی ارجن کو چھوڑ کر دریودھن کا ساتھی صرف اسوجہ سے ہوگیا تھا کہ سوئمبر والی ہتک اُسکو کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی سری کرشن جی نے سفارت کے زمانہ میں بہت کوشش فرمائی تھی کہ کسی طرح کرن کو دریودھن سے توڑ لیا جائے مگر کرن ہرگز نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ میں تو ارجن کا خون بہا کر خوش ہونگا

ارجن بھی بڑے ارمان سے لڑنے چلا تہا اور اُسکو اُمید تھی کہ انتقام کا وقت آگیا۔
یدہشتر کا لشکر تھا نیسر کے پاس کروکشیتر میں آکر ٹھہرا۔ اور وہیں دریودہن کی فوج
اسکے مقابلہ میں جاکر صف آرا ہوئی۔ کوسوں تک فوجوں۔ ہاتھیوں۔ گھوڑوں۔ رتھوں
کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ چھوٹے بڑے لڑنے
والے کسی نہ کسی فریق کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ ہندوستان نے اپنے
سب جگر کے ٹکڑوں کو کٹنے کے لئے میدان میں بھیجدیا تہا۔ یہ وہی لڑائی تھی۔ ایسی
معرکہ کی صف آرائی تھی جس نے ہندوستان کا ستیاناس کر دیا جس نے یہاں کے
علوم وفنون کی ترقیوں کو خاک میں ملا دیا۔ جسکے بعد پھر ہندوستان والے دن بدن
فنا ہونے لگے۔ اور آخر یہ نوبت آئی کہ باہر کے ترکوں اور عربوں نے اُنپر حملہ کرکے صدہا
سال اپنا محکوم بنائے رکھا۔ مہابھارت اسی جنگ کا نام ہی جسکے بعد ہندوستانی
بھرم نابود ہو گیا۔

حریف کے قدموں میں

دونوں لشکر آراستہ ہو چکے۔ فوجوں کی صف بندی قایم ہو گئی تو یکایک یدہشتر
اور ارجن اپنی صف سے باہر نکلے اور اُنہوں نے اپنے ہتھیار اتار کر پھینکدیئے۔ خلقت
اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ لیکن جب یہ دونوں نہتے ہو کر حریف کے لشکر کیطرف
چلے تو انکی سپاہ کی حیرت اور بھی بڑھی۔ خیال یہ ہوا کہ شاید ان کو لڑنا منظور نہیں ہے۔
حریف بھی چپ چاپ کھڑا اس تماشہ کو دیکھتا تھا۔ اور دم بخود تھا۔ یدہشتر اور ارجن سیدھے
بھیشم پتامہ اور درون اچاریہ کے خیمے میں گئے اور ان دونوں کے قدموں میں سر رکھ کر کہا۔
"اے بزرگ اور اے اُستاد ہم آپ کے سکھائے ہوئے ناچیز شاگرد ہیں۔ یہ ہماری
بدقسمتی ہی کہ ہمکو آپکے سامنے تلوار کھینچکر کھڑا ہونا پڑا۔ اور آپ کو بھی مجبوراً ہم چھوٹوں کے
مقابلہ میں تلوار اُٹھانی پڑی۔ اس کا شکوہ ہم کو نہیں ہی کہ آپ جیسے اُستاد اور رہنما

تعلیم دینے والے ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں آپ دریودھن کو قول دے چکے ہیں اور مجبور ہیں۔ مگر ہم بھی لاچار ہیں۔ ہم نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور صلح کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اب جبکہ لڑائی سر پر آ گئی تو ہمارا فرض ہے کہ پہلے آپ کو سلام کریں اور آپ سے لڑائی شروع کرنے کی اجازت مانگیں۔ اگر کسی دوسرے غنیم کا مقابلہ ہوتا تب بھی ہم آپکی اجازت کے بغیر میدان میں نہ نکلتے۔ اور اب گو خود آپ ہی سے جنگ کرنی ہے تو بھی ہم آپ ہی کی اجازت مانگنے آئے ہیں جب تک اجازت نہ دینگے ہماری تلوار میان سے باہر نہ نکلے گی۔"

بھیشم اور درون پر یدھشٹر اور ارجن کی اس سعادتمندی کا بڑا اثر ہوا۔ انھوں نے اُن کو اُٹھا کر چھاتی سے لگایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بہت سی دعائیں دیں اور کہا۔

"جاؤ ہم تم کو لڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔ میدان قتال گرم کرو۔ خدا تم کو فتحیاب کرے گا۔ اور فتح تو تمہاری اُسی وقت ہو گئی جب تم ایسی نیک خیالی اور سعادتمندی سے اپنے دشمنوں میں بے ہتھیار چلے آئے۔"

اسکے بعد بھیشم اور درون نے اپنے ان شاگردوں کو لڑائی کے چند ضروری آداب تعلیم کیے اور دور تک ساتھ جا کر رخصت کیا۔

یدھشٹر اور ارجن کی اس کارروائی نے دوست دشمن سب کو ان کا گرویدہ کر دیا اور ہر شخص کی زبان سے بے اختیار ان کی تعریف نکلنے لگی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ پسران پانڈو کی یہ کسر نفسی ان کے اعلیٰ و شریفانہ کیرکٹر پر دلالت کرتی ہے۔ اُنھوں نے یہ ایسا کام کیا کہ تلوار چلانے سے پہلے دشمن اُن کا مغلوب ہو گیا۔ بات کی تلوار سے انھوں نے ہر دل کو مسخر کر لیا۔ یہی نہیں کہ انہوں نے حریفوں کے دل موم کر دئے بلکہ اپنی فوج کے دلوں کو دوگنا کر دیا۔ اس فعل کی بعد

یدہشتر کے لشکر کا ہر سپاہی یدہشتر کو بے گناہ اور دریودہن کو پاپی جفاکار سمجھنے لگا ہوگا اور پھر اُس نے پورے ایمان کے ساتھ اور سچے جوش کے ارادے سے دشمن کے سر پر تلواریں ماری ہونگی ۔

آج یدہشتر وارجن موجود نہیں ہیں۔ آج دریودہن کی خاک بھی دنیا سے نا پید ہے مگر پسران پانڈو کا یہ کارنامہ قیامت تک موجود رہیگا۔ اور ہندو قوم کے بزرگ خصائل کی گواہی نسلاً بعد نسلاً دیتا رہیگا۔ کہ اس قوم کے حکمران عداوت اور دشمنی کی حالت میں بھی ایسے سیر چشم اور شریفانہ وضعداری کے پابند ہوتے تھے ۔

ارجن کا رتھ

اس سین پر پردہ گرا تو ارجن اپنے جنگی رتھ میں سوار ہوا۔ سری کرشن جی مہاراج اس کے ساتھ رتھ بان بنے۔ اور رتھ کو لیکر میدان جنگ میں نمودار ہوئے ۔

ارجن نے کہا۔ میرے آقا رتھ بان! ذرا اس رتھ کو لیکر دشمن کی سب صفوں کے آگے سے گزرو۔ تاکہ میں دیکھوں آج کے دن کون کون ہم سے لڑنے آیا ہے۔ اور ہم کو کس کس طاقت سے مقابلہ کرنا ہے ۔

سری کرشن نے ایسے ہی کیا اور رتھ کو تمام میدان میں پھرایا۔ جب ارجن سب کچھ دیکھ چکا تو ایک دفعہ ہی بولا۔

وہ گرودآتا۔ میرے بازو تھرتھراتے ہیں۔ میرا دل لرزتا ہے۔ ایمان اور ضمیر کانپتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ مقابلہ میں صفوں میں سوائے بزرگوں اُستادوں۔ بھائیوں کنبہ والوں۔ قرابت داروں کے اور کوئی نہیں ہے۔ کیا میں ان عزیزوں پر تلوار اُٹھاؤں کیا مجھ کو اپنے بڑوں سے گستاخ ہونا پڑے گا۔ کیا میں اپنے سگوں کو خاک و خون میں لٹاؤں گا۔ نہیں نہیں اے میرے رہبر مجھ سے یہ نہیں ہوگا ۔

دنیا میں جینے کا مزہ۔ حکومت۔ اور مال و دولت کا لطف ان ہی لوگوں سے ہے۔ جب میں ان کو قتل کردوں گا تو پھر بادشاہت اور روپیہ پیسہ کیا بہار دیگا۔ مجھ سے تو یہ گناہ کبھی نہ ہوگا۔ رتھ کو اُلٹا پھیرو مجھ سے لڑائی نہ ہوسکیگی۔ میں ایسی عزت کو ذلت سمجھتا ہوں جو اپنے گھر والوں کے قتل سے حاصل ہو"

گیتا کا لیکچر

سری کرشن جی نے ارجن کی یہ بات سُنی تو وہ مُسکرائے اور اُنہوں نے اپنی نشست سے مُڑکر ارجن کو دیکھا اور فرمایا۔

"زندگی کیا ہے۔ مرنا کیا ہے۔ تو ان کا فرق سمجھا کیا ہے۔ خوشی کس کو کہتے ہیں غم کیا ہوتا ہے انصاف کے کیا معنی ہیں۔ ظلم کس کا نام ہے۔ اے نادان تجھ کو ابھی ان باتوں میں کسی کا بھی علم نہیں ہے۔ ورنہ تو ایسی بزدلی کی بات نہ کہتا۔

تو چھتری ہے اور چھتری کا ایمان یہ ہے کہ وہ ظالم کو پامال کرے اور مظلوم کو اُس کے پنجہ سے بچائے ؛

جنکو تو نے اپنا اور سگا سمجھا ہے ان میں کوئی بھی اپنا نہیں سب پرائے ہیں گناہ اور پاپ ایک میل ہے جو کپڑوں کا اُجلاپن کھو دیتا ہے اگر دھوبی کپڑوں پر رحم کرے اور ان کو پتھر پر اُٹھا اُٹھا کر نہ مارے تو بتا ان کا میل کیونکر دور ہو۔ اور وہ کسطرح صفائی حاصل کریں ؛

یہ سامنے والی فوجیں گناہوں میں میلی ہو رہی ہیں تلوار کے گھاٹ انکو دھونا چاہئے یہ مرتے نہیں ہیں کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ یہ پاپی جسم بدل جائیں گے اور تیری تلوار ان کو بدل دیگی۔ تو پھر انکو اُجلے اور صاف جسموں کا لباس ملیگا۔ ہمت نہ ہار۔ اپنی جوانمردی کو بٹہ نہ لگا۔ بہادر چھتریوں کی طرح تیر کمان اُٹھا۔ تلوار بلند کر۔

نیزہ کو جنبش دے اور لڑ"۔

یہ گیتا کی ابتدا تھی اور پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو لیکچر سری کرشن نے ارجن کو اسی میدان کارزار میں دیئے۔ ان سب کے مجموعہ سے گیتا کتاب تیار ہوئی ۔

جو لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ایسے نازک وقت میں تقریر اور پھر ایسی باریک فلسفیانہ تقریر کی فرصت کہاں ہو گی۔ لہٰذا گیتا کو سری کرشن سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ کسی اور شخص کی تصنیف ہے۔ ان کا کہنا سراسر غلط ہے۔ سری کرشن کو سوائے بولنے اور رتھ کو ادھر اُدھر لیجانے کے اور کام ہی کیا تھا۔ انکی معمولی معمولی باتیں بھی فلسفہ حیات و کائنات سے لبریز ہوتی تھیں۔ کجا کہ ایسے موقع کا بیان جبکہ جذبات ابھارنے والی ایک عظیم الشان جنگ آنکھیں دیکھ رہی ہوں مرنے والوں کی بے چینیاں زخمیوں کی چیخیں۔ تلواروں کی جھنکاریں تیروں کے سناٹے سنائی دیتے ہوں۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہو تو ایک روشن ضمیر روشن دماغ فلاسفر جو کچھ بھی کہہ جاتا کم تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں گیتا اور اُس کے فلسفہ پر رائے زنی ہو گی یہاں تو فقط اتنا بتانا تھا کہ جنگ سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا اور ارجن کو ہمت ہارتا دیکھ کر سری کرشن جی نے دوبارہ آمادہ کیا۔ اور انہی کی تقریر سے متاثر ہو کر اُسکو حرب و ضرب کا میلان ہوا۔ اور اسی موقع پر گیتا کی تقریریں ہوئیں ۔

مقابلہ

آخر ارجن لڑنے پر رضامند ہو گیا۔ تیر چٹکیوں سے نکلنے لگے۔ کمانیں دوہری ہونے لگیں۔ سینے چھدنے شروع ہوئے۔ تلوار سروں پر کھیلنے لگی۔ اور دونوں فوجوں نے داد شجاعت دینی شروع کی ۔

یدھشٹر کی فوج کا افسر اعلیٰ دیوشن راجہ دروپد کا بیٹا اور ارجن کا سالا تھا اور دریودھن کا سپہ سالار بھیشم پتامہ تھا ۔

بھیشم کمالات حرب میں ایسا طاق تہا کہ اسکی برابر یدہشتر کی فوج میں کوئی افسر نہ تہا۔ سوائے ارجن کے، اور ارجن کی یہ حالت تھی کہ وہ سری کرشن کے کہنے سننے سے لڑائی پر آمادہ تو ہوگیا تھا اور لڑبھی رہا تہا مگر اسکا دل نہ لگتا تہا خصوصاً جب بھیشم جیسے بزرگ کو سامنے دیکھتا تو کنیا جاتا۔ یعنے دانستہ شدت جنگ کو ٹال دیتا۔ اسکی وجہ سے بھیشم کی فوج بڑہ بڑہ کر حملے کرتی تھی۔ اور یدہشتر کی صف بندی بکھری جاتی تھی۔ اور آدمیوں کا کثیر نقصان ہو رہا تھا۔

کئی دن یہ نوبت رہی اور بھیشم نے یدہشتر کے لشکر کا جی چھڑا دیا۔ اور بیحد نقصان کیا۔ تو سری کرشن کو انجام بد کا اندیشہ دامنگیر ہوا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ارجن جان بوجھ کر ڈھیل دیتا ہے۔ اور بھیشم سے لڑنا نہیں چاہتا اسطرح تو ساری فوج تمام ہوجاوے گی۔ اس واسطے وہ گھڑی گھڑی ارجن کے رتھ کو بھیشم کے مقابلہ میں لاتے تھے کہ کسی طرح ارجن بھیشم کا کام تمام کردے۔ مگر وہ ہر دفعہ ہاتھ روک لیتا تہا۔

یاد ہوگا سری کرشن نے عہد کیا تہا کہ میں اس جنگ میں ہتھیار نہیں چلاؤں گا مگر جب انہوں نے ارجن کی یہ مروت دیکھی تو اُن سے رہا نہ گیا۔ رتھ سے کود پڑے اور رتھ کا پہیہ لیکر خود بھیشم کے مقابلہ کو بڑہے۔

یہ کیفیت دیکھ کر ادہر سے تو ارجن ہاتھ جوڑتا اور پکارتا ہوا دوڑا کہ خدا کے لئے آپ اپنا عہد نہ توڑیئے۔ آپ ہتھیار نہ چلایئے۔ میں لڑتا ہوں۔ میں بھیشم پر حملہ کرتا ہوں اور اُدہر بھیشم نے نعرہ لگایا۔ اور کہا آیئے آیئے میرا سر حاضر ہے۔ کہاں نصیب جو آپ کے ہاتھ سے میرا سر قلم ہو۔ لیجئے لیجئے میں گردن جھکاتا ہوں۔ قوت آزمائی یہ بھی ناظرین کو معلوم ہو کہ بھیشم پتامہ سری کرشن کو اوتار سمجھ کر ان کا غلام بنا ہوا تھا اور انکی عزت اس کے دلمیں ایسی ہی تھی جیسی ایک اوتار کی ہونی چاہیئے۔ بھیشم ہی وہ شخص ہے جس نے راج سو یگ میں سری کرشن کی پوجا کی مقدم تحریک کی تھی۔ اور

جو ششو پال سے دو دپد دحمایت کرشن میں لڑا تا تھا۔ جب اس نے سری کرشن جیسی ہستی کو دیکھا کہ وہ میرے قتل پر آمادہ ہیں تو اس کا خوش ہونا قدرتی امر تہا کہ میرا انجام ایک اوتار کی تلوار سے ہوتا ہے ؂

ذرا خیال کرنا بھیشم کے دل محبت شناس کا تصور کرنا کہ جب اس نے اپنے محبوب و مطلوب حقیقی کو شمشیر بکف اپنے اوپر حملہ کناں آتا دیکھا ہوگا تو اُسمیں کیا کیا ولولے۔ اور کیا ارمان پیدا ہوئے ہونگے اور اُس نے کیسی سچی اور پر کیف خوشی سے نعرہ لگایا ہوگا۔ ارجن کی منت سماجت سے سری کرشن نے ہتیہ پھینک دیا۔ اور مسکراتے ہوئے بھیشم کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے پھر رتھ پر آن بیٹھے اور لڑائی کا سماں دوبارہ بندھ گیا ؂

دوسرے دن بھیشم نے اپنے لشکر میں کسی سے کہا کہ میری موت اس شخص کے ہاتھ سے مقدر ہے جس کی شکل عورتوں جیسی ہوگی۔ یہ خبر ارجن کو پہنچی تو شکنڈی نامی ایک شخص کو اُس نے ساتھ لیا جو زنانہ تہا۔ اور بھیشم پر حملہ کیا۔ شکنڈی کو سامنے دیکھ کر بھیشم نے ہتھیار پھینکدیئے۔ اور ارجن نے ایک کاری زخم بھیشم کے لگایا۔ جس سے وہ مضمحل ہوکر گر پڑا ؂

بھیشم کے گرتے ہی دونوں طرف کے سردار دوڑے اور بھیشم کے آس پاس جمع ہوگئے۔ بھیشم نے تکیہ مانگا۔ دریودھن نے ریشمی نرم تکیے منگائے مگر بھیشم نے ان کے سرہانے رکھنے سے انکار کیا۔ تو ارجن نے تین تیر زمین میں گاڑ دیئے اور بھیشم نے خوشی خوشی ان تیروں سے سر ٹیک کر سہارا لیا ؂

یہ تکیہ بھیشم کی جوانمردی اور سپاہیانہ شان کا بہترین نمونہ تہا جسمیں اُس نے ہندو قوم کو ایک پُر معنی نصیحت کی کہ بہادر لوگ ریشمی تکیے نہیں لگایا کرتے۔ بلکہ تیروں کے بستر پر سوتے اور آرام کرتے ہیں ؂

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بھیشم پتامہ نے خود اپنے قاتل کی حالت نہیں بتائی تھی بلکہ اسکی خصلت کا خیال کرکے ارجن نے شکھنڈی زنانہ کو سامنے کیا تہا تاکہ بھیشم اُسکو عورت سمجھ کر ہتھیار نہ چلائے اور میں اِس فرصت میں اُسکا کام تمام کردوں۔ اگر یہ روایت سچ ہے تب بھی اِس سے بھیشم کی مردمزاجی ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے جان کی پروانہ کی اور عورت شکل پر ہاتھ اُٹھانے سے باز رہا۔

درون اچاریہ کی سپہ داری

بھیشم زخمی ہوکر بیکار ہوگیا تو دریودہن کی فوجی کمان درون اچاریہ کے سپرد کی گئی۔ یہ بھیشم سے زیادہ ہنرمند جنرل تہا۔ اس نے بھی وہ ہاتھ دکھائے اور اس خوبصورتی سے فوجوں کو لڑایا کہ یدہشٹر کی افواج کا ستیاناس ہوگیا۔ ہرچند یدہشٹر کے افسران لشکر جان توڑ توڑ کے لڑتے تھے مگر درون کی حکمت عملیوں اور نقشہ جنگ کے سامنے ان کا بس نہ چلتا تہا۔ اور نامی نامی سورما کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ آخر سری کرشن نے تجویز کی کہ درون کے ساتھ ایک فریب کرنا چاہئے۔ کیونکہ فریب جنگ میں جائز ہے۔ اور اسکے بغیر درون کی قوت کو توڑنا محال ہے۔ مگر درون فریب نہ کھائیگا۔ جبتک یدہشٹر اس میں حصہ نہ لے۔ کیونکہ یدہشٹر پر درون کو بہت بھروسہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ یدہشٹر کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن یدہشٹر کو راضی کرنا سب سے زیادہ مشکل تہا۔ لہذا ابصلاح سری کرشن یہ ترکیب کیگئی کہ اشوتہاما نامی ایک ہاتھی یدہشٹر کے سامنے لاکر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد یدہشٹر سے کہا کہ وہ پکار کر کہے اشوتہاما ہاتھی مارا گیا۔ اشوتہاما مارا گیا تو آواز سے کہے اور ہاتھی آہستہ سے کہدے تاکہ درون کے کانوں تک صرف ہاتھی کا لفظ نہ پہنچے فقط اشوتہاما کا مرنا ان کو سنائی دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یدہشٹر نے بہزار دقت اس جھوٹ کو گوارہ کیا اور اشوتہاما مارا گیا پکار کر کہدیا۔

درون کے بیٹے کا نام بھی اشو تہاما تہا۔ اور یہ فریب اسی غرض سے کیا گیا تہا کہ درون کا دل بیٹے کی موت کا حال سُنکر ٹوٹ جائے۔ اور جب اسکی ہمت پست ہو تو ہم اُسکو مار ڈالیں۔

درون یدہشتر کو بڑا سچا اور ایماندار جانتا تہا اُسے ہرگز گمان نہ تہا کہ یدہشتر کوئی مکر کی بات کرے گا۔ لہٰذا اُس نے جوں ہی یدہشتر کی زبان سے سُنا کہ اشوتہاما مارا گیا۔ اُسی وقت ہائے کا نعرہ مارکر دل برداشتہ ہو گیا۔ اور بیٹے کے غم نے اُسکی کمر ہمت توڑ ڈالی۔ حریف تو اس تاک میں پہلے سے لگے ہوئے تھے۔ دشمن سپہ سالار نے آگے بڑھ کر درون کا کام تمام کر دیا۔

درون کے واقعہ میں یدہشتر اور سری کرشن پر جہوٹ اور فریب کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مگر آجکل کے زمانہ میں بھی جبکہ ہر شخص کو راست بازی کا عام دعویٰ ہے کوئی اس قسم کے فعل کو فریب اور جہوٹ نہیں کہتا۔ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں جنگ یوروپ ہو رہی ہے۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی قوتیں میدان جنگ میں مصروف تیغ زنی ہیں۔ اور ہر فریق واقعات جنگ کو اپنے ڈھب اور مطلب کے موافق بیان کرتا ہے دروغ اور راستی کی کسیکو بھی پروا نہیں ہے۔ جہوٹ کو جائز سمجھ لیا گیا ہے۔ اور کوئی شخص اسپر اعتراض نہیں کرتا۔ کیونکہ جنگ کی مشکلات کو اب ایک بچہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس مہابھارت جیسی عظیم جنگ اور درون جیسے آزمودہ کار جنرل کو شکست دینے کی سوائے اس مکر کے اور کوئی صورت نہ تھی۔ سری کرشن نے جو کچھ کیا عین اصول حرب کے موافق کیا اور اس سے اُنپر کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے ہاں بھی الحرب خدعۃ آیا ہے۔ یعنے لڑائی میں مکر کی اجازت دیگئی ہے۔ مگر ایسا مکر جائز ہے جو عہد اور وعدہ کے خلاف نہ ہو۔ درون سے جو مکر کیا گیا اُس میں صرف ایک قسم کا ہلکا سا دھوکا تہا۔ یا مغالطہ تہا۔ عہد شکنی کا

فریب اس میں تھا۔ البتہ دریودہن کی فوج نے جو فریب کئے ہیں وہ دغابازی کی حد تک پہنچتے ہیں چنانچہ اسی درون کے بیٹے اشوتھامہ نے دریودہن کے زخمی ہونے اور شکست پانے کے بعد ایک رات کو چوروں کی طرح آ کر پانڈو خاندان کے تمام نوجوان شہزادوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ حالانکہ یہ حرکت مردانگی اور آئین حرب کے بالکل خلاف تھی۔ سوتے آدمی کو بیخبری میں مارنا نہایت کمین کام ہے ؛

سری کرشن معلم عشق تھے۔ معلم جنگ تھے۔ معلم معاشرت تھے۔ معلم آخرت تھے۔ ان کے اس فعل سے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے فن حرب کی ایک عملی مثال دنیا کو دکھا دی۔ اب چاہے کوئی اچھا کہے یا بُرا کہے اُن کو یا اُن کی برتر و برگزیدہ شان کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ اس سے ان کے پاکیزہ خصائل پہ کوئی دھبہ لگ سکتا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے جو کچھ کیا درون کی حرکات قبیح کے جواب میں کیا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو بہت کم کیا۔ درون برہمن تھا درون مذہبی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا۔ اِس کا فوجی عہدہ بھی سب سے برتر تھا مگر اس نے سب سے پہلی بے ضابطگی تو یہ کی کہ حریف کے خلاف ایسے ہتھیار استعمال کئے جن کا علم حریف کو نہ تھا۔ اور اُن سے بے شمار جانیں بے پناہ ہلاک ہو گئیں ؛

آجکل جرمن قوم پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ لڑائی میں ایسے ہتھیار کام میں لاتی ہے جن کا جواب اس کے دشمنوں کے پاس نہیں ہے۔ یا اس قسم کے طریقے اختیار کرتی ہے جن سے انسانوں کی جانیں زیادہ ضایع ہوں۔ آبدوز کشتی کے ذریعہ مسافری جہازوں کو غرق کر دیا جاتا ہے۔ اور ہزاروں بے گناہ شہری۔ عورتیں بچے۔ بوڑھے ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ یا ہوائی جہازوں سے شہروں پر بم پھینکے جاتے ہیں۔ جن سے غیر جنگی آبادی ہلاک و تباہ ہوتی ہے۔ یا میدان جنگ میں زہریلی گیس استعمال

ہوتی ہے جو آدمیوں کو دم گھونٹ کر مار ڈالتی ہے ؛
لہذا اگر حریفوں کے دشمن بھی کوئی مکارانہ چال ان کے خلاف کریں تو کوئی منصف مزاج شخص ان کو ملزم نہ کہے گا ؛
یہی حال درون اچاریہ کا ہوا۔ وہ جنگ کی سائنس سے واقف تھا۔ اسکو ایسے ہتھیار معلوم تھے جو آناً فاناً میں ہزاروں آدمیوں کو فنا کر دیں۔ وہ ایسی عجیب ترکیبیں لڑائی کی جانتا تھا جنکا توڑ دشمن کو معلوم نہ تھا۔ پسران پانڈو کی فوج نے دیکھا کہ درون باوجود برہمن ہونے کے یہ پاپ کر رہا ہے کہ تباہ کن آلات حرب سے ہماری فوجوں کی صفیں مری چلی جاتی ہیں۔ اور ہم اس کا کچھ علاج نہیں کر سکتے۔ تو کیا وہ درون کو معاف کر دیتے۔ آج ہم ومدم گولیوں کے استعمال پر طعن کرتے ہیں کہ ان سے زخم گہرا پڑتا ہے۔ اور آدمی مرتے زیادہ ہیں۔ کل درون کو ہم کسطرح معاف کر سکتے تھے جس نے برہمن ذات ہوکر خلاف آدمیت آلات مہلک استعمال کئے اور ہزاروں بیگناہوں کو مار ڈالا۔
دوسرے درون نے ایک کمینی حرکت اور کی جو فنون جنگ۔ اور آداب حرب کے سراسر خلاف تھی۔ اور درون جیسے اعلیٰ درجہ والے کی شان سے گری ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ ایک دن اثنار جنگ میں سری کرشن اور ارجن نقشہ جنگ کی تجاویز سوچنے کو میدان کارزار سے غیر حاضر تھے۔ اور ارجن کا بیٹا ابھے مینو جو سری کرشن کی بہن سوبھدرا کے بطن سے تھا باپ کی جگہ فوج کی کمان کر رہا تھا۔ درون نے موقع پاکر اپنے لشکر کے چھ مشہور جنرل منتخب کئے۔ اور ساتواں خود اُن کے ساتھ ہوا۔ اور سب نے ملکر بیچارے ابھے مینو کو گھیر لیا جس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ ابھے مینو نے ہرچند داد شجاعت دی۔ اور خوب ہاتھ دکھائے۔ مگر سات خرانٹ تجربہ کار جنرلوں کے آگے سولہ برس کا بچہ کی کیا حقیقت تھی۔ زخمی ہو کر گرا۔ اور جیدرتھ راجہ سندھ نے اسکا سر کاٹ لیا۔

ابھے منیو کے قتل نے یدھشٹر کے لشکر میں ہل چل ڈالدی اور اسقدر عظیم الشان کہرام وماتم بپا ہوا جس کی کچھ حد نہیں۔ شام کو ارجن اور سری کرشن واپس آئے تو یہ حال سُنکر اُن کو بھی قلق ہوا۔ اور ارجن نے جیدرتھ کو دوسرے دن مارکر خون پسر کا عیوض لے لیا۔

دروَن کی یہ دو صریح اور صاف کمینی حرکتیں دیکھ کر سری کرشن نے یہ مکر تجویز فرمایا تھا۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تجویز نا روا تھی۔ دروَن کو شرم نہ آئی جب وہ ایک خرد سال لڑکے پر سات جنرلوں کو لیکر چڑھ گیا۔ اور عالم تنہائی میں اُس کو مار ڈالا۔ سری کرشن کی اس تجویز میں سوائے درون کی ذات کے اور مخلوق خدا کا نقصان نہ تھا۔ اُنہوں نے ایک بدذات موذی کو ہلاک کر کے ہزاروں جانوں کو بچا لیا۔ جو اس شتر کے بے پناہ آلات حرب سے برباد ہو رہی تھیں۔ لہٰذا ایسا مکر۔ ایسا جھوٹ۔ ہزار دیانتوں اور لاکھ سچائیوں سے اعلیٰ ہے۔ جو بندگان خدا کی جان بچائے۔

کرن کا میدان

بھیشم اور درون کی موت نے دریودھن کے حوصلے پست کر دیئے تھے اسکی سپاہ پراگندہ خاطر اور دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ تاہم حسد کی آگ رہ رہ کر سہارا دیتی تھی درون مرا تو اُس نے کرن کو سپہ سالاری دی۔ اور دوسرے دن کرن نہایت کروفر سے میدان میں افواج کو لڑانے نکلا۔ اور خوب ہنرمندیاں جنرلی کی دکھا دیں۔

کرن نے قسم کھا رکھی تھی کہ یا تو ارجن کو میں قتل کرونگا۔ اور یا اُس کے ہاتھ سے خود مارا جاؤں گا۔ اِس واسطے کرن کی سپہ داری نے لڑائی میں عجیب طرح کی جان ڈالدی تھی۔ دریودھن کی فوج کو خیال تھا کہ کرن ضرور ارجن کو مار ڈالیگا۔ کیونکہ فن حرب میں اسکی برابر کا ہے۔ اور شوق انتقام میں اس سے بڑھا ہوا ہے۔

یدہشتر کی سپاہ کو ایک طرف ارجن کا فکر تہا۔ تو دوسری طرف یہ آس لگی ہوئی تہی کہ کرن کے بعد میدان صاف ہے۔ اسکو مار لیا تو گویا دریودہن کو مار لیا۔ پھر کوئی کانٹا میدان میں باقی نہ رہے گا۔ غرض اسی امید وبیم میں کرن کی جنگ شروع ہوئی۔ کرن نے بھیشم اور درون کی طرح یدہشتر کی فوج کا بہت نقصان کیا۔ وہ تاک تاک کر ارجن کے تیر مارتا تہا۔ اور ارجن بھی چاہتا تہا کہ کرن کے سامنے جاکر مقابلہ کرے۔ مگر سری کرشن ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے نہ لیجاتے تھے۔ اور طرح دے دیکر موقع ٹال رہے تھے کرن نے اسکو ارجن کی بزدلی اور کمزوری پر محمول کیا اور اُس کا دل شیر ہوتا گیا۔ اور سری کرشن کا منصوبہ یہ تہا کہ جب کرن خوب تھک جائیگا اُسوقت ارجن سے مقابلہ کراؤں گا۔

آخر کئی دن کے بعد سری کرشن ایکاایکی ارجن کے رتھ کو کرن کے سامنے لیکر پہنچ گئے۔ اور ان دونوں بہادروں کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت دونوں لشکر سناٹے کے عالم میں کھڑے سیر دیکھتے تھے۔ اور ہر شخص کا دل انجام کے خیال سے دہڑک رہا تہا کرن ارجن سے ایسا جی توڑ کر لڑا کہ بایدوشاید۔ ارجن کے اوسان باختہ ہوگئے۔ مگر سری کرشن نے رتھ بانی کے ہنر سے کرن کو گھبرا دیا۔ وہ رتھ کو ایسے چکر دے دیکر پھیر لیتے تھے کہ کرن اپنے ہتھیاروں کی شست قایم نہ رکھ سکتا تہا۔ اسی اثنار میں کرن کے رتھ کا پہیہ کیچڑ میں پھنس گیا۔ اور اُس نے ارجن کو آواز دی کہ ذرا ہاتھ کو روک لو میں پہیہ کیچڑ سے نکال لوں۔ چونکہ یہ بات آداب جنگ میں شامل تھی۔ ارجن نے ہاتھ روک لیا۔ اور کرن خود اُتر کر پہیہ کیچڑ سے نکالنے لگا۔ اُس وقت سری کرشن نے کرن کو ملامت کرنی شروع کی اور فرمایا۔ "آج تو آداب جنگ کی پناہ ڈھونڈھتا ہے کل کیا ہوا تہا جب تو نے سات آدمیوں کے ساتھ ہوکر اکیلے لڑکے ابہمنیو پر حملہ کیا اور آئین جنگ کے خلاف اُسکو مار ڈالا۔ کیا تو بھول گیا کہ تو نے دروپدی کی بے عزتی کو خوشی

ہو کر دیکھا تھا۔ ایسے شخص کو امان دینی جائز نہیں۔ مگر دیکھ ہم نے اصول جنگ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ اور تجھ کو امان دیدی"

سری کرشن کی اِس ملامت سے کرن نادم ہو گیا۔ اور پہیہ نکالکر جب اسنے مقابلہ شروع کیا تو خود بخود اسکی ہمت پست ہو گئی اور ارجن نے بہت آسانی سے اُسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا کرن کے مرتے ہی دریودہن کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہو گئی۔ اس کے لشکر سے غوغائے الم بلند ہوا۔ اور فوجوں کے پرے بھاگنے شروع ہوئے۔ مگر دریودہن نے ان کو سنبھالا۔ اور راجہ مدرا کو کمانڈری دیکر صفیں جمائیں۔ مگر راجہ مدرا بھی تھوڑی دیر میں کٹ کر گر پڑا تو سپاہ بالکل بھاگ نکلی۔ اور خود دریودہن بھی فرار ہو کر سامنے کے ایک جنگل میں جا کر چھپ گیا۔

دریودہن کا خاتمہ

یہ کیفیت دیکھ کر یدہشٹر جنگل کے قریب گیا اور دریودہن کو آواز دیکر کہا۔ "اب کیوں چھپتا ہے۔ میدان میں آ۔ اور بہادروں کی طرح مقابلہ کر۔ اگر تونے ذاتی مقابلہ میں فتح پائی تو پھر سب کچھ تیرا ہے۔ ہم بھائیوں میں سے ایک کو بھی تو قتل کر سکیگا تو ہم سب راج پاٹ چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں گے۔ خاندان کو بٹہ نہ لگا۔ عورتوں کی طرح مُنہ نہ چھپا۔ میدان میں نکل۔ اور ہمت ہے تو لڑ"

دریودہن نے جواب دیا "اب میں تاج و تخت کے واسطے لڑنا نہیں چاہتا وہ تو میں نے تم کو بخشا۔ البتہ بزرگوں اور بھائیوں کے خون کا تم سے انتقام لینا ہے اس کے لئے لڑنے کو تیار ہوں۔ مگر سوائے لکڑی کے کسی ہتھیار سے نہیں لڑونگا۔ تم میں سے جو شخص لکڑی سے لڑنا قبول کرے سامنے آئے۔ مگر یدہشٹر۔ اور راے ارجن تم دونوں میرے آگے بالکل مریل ہو۔ میں تم سے لڑتا ہوا شرماتا ہوں۔ میرے مقابلہ کا

البتہ بھیم ہے۔ اُسکو بلاؤ تاکہ وہ مجھ سے لڑے۔

یہ سُنکر بھیم آگے بڑھا۔ اور دریودھن سے لڑائی چلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد دریودھن تھک گیا اور بھیم نے اُسکی ران پر ایسی لکڑی ماری کہ اُسکی ران پاش پاش ہو گئی۔ اور دریودھن اوندھے منہ گر پڑا۔ گرا تو بھیم نے اُس کے سر پر پاؤں رکھدیا۔ اسپر سری کرشن نے آواز دی "خبردار اے بھیم پاؤں کو سر پر سے ہٹالے۔ غنیم دشمن کی بے حرمتی شرافت کے خلاف ہے"۔

دریودھن ران کے زخم سے مرا نہ تہا۔ مگر مرنے سے بدتر ہو گیا تہا۔ اسکو ادھ موا چھوڑ کر سب لوگ اپنے خیموں کی طرف واپس چلے آئے۔ یہ دریودھن کی آخری حالت تھی۔ اس کے اقبال کا ستارہ ٹوٹ چکا تہا۔ اسکی جہانداری کی کشتی ڈوب چکی تھی۔ وہ خاک پر پڑا اڑیاں رگڑتا تہا۔ اور مہابھارت کی جنگ کو اسنے اپنے گرنے سے گویا ختم کر دیا تھا۔

آج وہ دیکھ رہا تھا کہ سب چچا تایا۔ بھائی بند۔ دوست احباب۔ میری حرص کی آگ میں جلکر مر گئے۔ اسکو نظر آتا تہا کہ دنیا کی محبت نے اپنا انجام میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ اب موت قریب ہی۔ اور زندگی ہاتھ سے جاتی ہے۔ آج کوئی قوت مجھ کو سہارا دینے والی نہیں ہے۔ اب میری آنکھ بند ہو جائیگی۔ اور شوق تاج و تخت کے سب جھگڑے نابود ہو جائیں گے۔

زخم سے خون بہ رہا تہا۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ دل سے آہیں بہ رہی تھیں۔ بدن سے جان بہنے کا سامان کر رہی تھی۔ آسمان چپ نگاہوں سے اُسکو دیکھتا تہا۔ اور دریودھن بولتی نظروں سے آسمان کو دل ہی دلمیں مخاطب کرتا تہا۔ یہ انجام تھا ہندوستان کے ایک ظالم اور جابر حکمران کا۔ جسنے حق اور راستی کو پس پشت ڈالکر دوسروں کے حقوق پر دست درازیاں کیں تہیں جسکو اپنی فوجوں پیا

گھمنڈ تھا۔ جسکو اپنے جنرلوں کے فنون جنگ پر غرور تھا۔ جو خدا کی عادل قوتوں سے خم ٹھونک کر مقابلہ کرنے چلا تھا۔ دیکھو دگز کی اِس عزت والی مورت کو خاک پر لوٹی پڑی ہے۔ اسکی اُمیدیں چھوٹ گئیں۔ اسکی تمنائیں پامال ہوگئیں۔ اسکے ارمان دلمیں مرگئے ؛

یہ دریودہن ہے۔ نتیجہ ظلم کاری ہے۔ نمونہ ستم شعاری ہے۔ بھائیوں کا حق چھیننے والا۔ عورت کی بے حرمتی کرنے والا۔ دغا فریب کا پتلا۔ خواہش نفس کا غلام آؤ دیکھو۔ اس کا انجام دیکھو ؛

مٹی کا بچھونا ہے۔ تنکوں کا تکیہ ہے۔ کانٹوں پر لوٹتا ہے۔ خون میں ڈوبا ہوا حیات چند روزہ کا خواب دیکھ کر موت کے ہاتھوں بیدار ہوتا ہے ؛

آخری سفاکی

یدھشٹر بھائیوں کو لیکر اُلٹا پھرا۔ شام ہوگئی تھی۔ دریودہن میدان میں زخمی پڑا تھا کہ اس کے باقیماندہ تین جرنیل سرہانے آکر کھڑے ہوئے اور اسکی حالت دیکھکر بے اختیار رونے لگے۔ ان تینوں میں اشوتھاما فرزند درون اچاریہ بھی تھا ؛

اشوتھاما نے کہا "اے راجہ مجھ کو اجازت دے کہ آج میں تیرا اور اپنے باپ کا دشمنوں سے بدلہ لوں" دریودہن مر رہا تھا مگر اسکی خبیث روح خوشی سے پھڑکنے لگی اور اُس نے کہا۔

"ہاں ہاں تجھ کو اجازت ہے جا اور بدلہ لے کے میری جان کو ٹھنڈا کر" اشوتھاما نے کہا میں حریف پر شب خون مارنا چاہتا ہوں۔ جنرل کرپا نے کہا یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے اور ہمارے بزرگوں نے کبھی ایسی کمین حرکت نہیں کی۔ اشوتھاما بولا۔ بس چپ رہو۔ آج سب کچھ جائز ہے ؛

یہ کہہ کر وہ چپ چاپ رات کی تاریکی میں دشمن کے خیموں کے اندر گھس گیا اور پہلے دیومن پسر راجہ درو پد کے خیمہ میں پہنچا جس نے اشوتھاما کے باپ درون اچاریہ کو قتل کیا تہا۔ دیومن اسوقت بے خبر سوتا تہا۔ کمبخت نے سوتے میں اُسکو ذبح کر ڈالا اور باپ کے انتقام سے جی ٹھنڈا کیا۔ اس کے بعد پانڈو خاندان کے جسقدر شہزادے اور جتنے ان کے حمایتی راجہ اور سردار تھے سب کو خیموں میں گھس گھس کر ہلاک کر دیا۔ اتفاق سے سری کرشن اور یدہشٹر سب بھائیوں سمیت اس رات کیمپ میں نہ تھے باہر ٹھہر گئے تھے۔ ورنہ ان کی ہلاکت بھی یقینی تھی ؛

اشوتھاما اس آخری سفاکی کو پورا کر کے صبح ہوتے دریودہن کے پاس گیا وہ اسوقت سکرات کے عالم میں تہا۔ چند سانس باقی رہے تھے کہ اشوتہاما نے اُس کو یہ خوش خبری سُنائی۔ دریودہن اس پُرجفا قتل کاری کی اطلاع سے بہت خوش ہوا اور بولا اب میری جان بہت آسانی سے نکلیگی۔ تو نے بڑا اچھا اور خوب شاندار کام کیا۔ یہ کہا اور آخری ہچکی لیکر مر گیا ؛

لڑائی ختم ہو گئی تو تجویز ہوئی کہ دریودہن کے ماں باپ کو اس انجام کی خبر دینے کے لیے سری کرشن کو بھیجنا چاہیئے۔ تاکہ وہ ان کو تسلی دلاسا دے سکیں۔ سری کرشن نے اسکو منظور کیا۔ اور میدان جنگ سے دہرت راشٹر کے پاس تشریف لیگئے دریودہن کے ماں باپ نے جب یہ خبر سُنی تو بڑا واویلا مچایا۔ مگر سری کرشن نے فلسفیانہ تقریر سے ان کو صبر تلقین کر کے خاموش کر دیا۔ آخر سب عورتوں نے خواہش کی کہ ہمکو میدان جنگ دکہا دو۔ سری کرشن نے قبول کیا اور ان کو لیکر کروکشیتر میں تشریف لائے۔ یہ تہانیسر اور پانی پت کے درمیان ہے۔ جہاں مہا بہارت کی لڑائی ہوئی تھی ؛

جب عورتوں نے اپنے خاوندوں۔ اپنے بھائیوں۔ بیٹوں۔ باپوں کی لاشیں دیکھیں تو ان کا روتے روتے عجیب حال ہو گیا۔ اور دریودہن کی ماں گندھاری سری کرشن کو کوسنے لگی۔ اور کہا۔

"یہ سب تیرا کیا کام ہے۔ پانڈو کے لڑکے تو لڑائی پہ آمادہ نہ تھے تو نے اُن کو اُکسا اُکسا کر لڑایا۔ اور یہ روز بد دکھایا"

سری کرشن نے گندھاری کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور چپ کے کھڑے مُسکراتے رہے۔

وہ جاہل کو کیا جواب دیتے بے شک وہی اس رزم عظیم کے بانی مبانی تھے بلا شبہ ان ہی کی مسلسل تدبیروں سے پسران پانڈو کو فتح نصیب ہوئی تھی مگر فساد کی بنا تو خود گندھاری کا بیٹا دریودہن تھا۔ سری کرشن اِس غمزدہ سے کیا مُنہ لگتے اور اس سے کیا کہتے کہ دیوانی کردنی خویش آمدنی پیش۔

یدہشٹر کی تخت نشینی

یہ سب کچھ ہو چکا تو یدہشٹر سے درخواست کی گئی کہ تخت پر بیٹھے۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ اور کہا سارے خاندان کو ہلاک کر کے کیا خاک بادشاہت کروں ہر چند اُسکو سمجھایا گیا مگر وہ نہ مانا۔ یہاں تک کہ خود دہرت راشٹر اور گندھاری نے بھی منت سے کہا کہ اب تیرے سوا کون مُلک کی حفاظت کر سکتا ہے۔ مگر یدہشٹر نے نہ مانا تو سری کرشن سامنے آ کر بولے۔

"سُن سُن او دیولنے۔ ترک دُنیا کیا ہے۔ اور دخل دنیا کیا ہے اپنے وجود کو دے کر۔ اس میں اعضا ہیں۔ ان کے فرائض ہیں۔ ان میں زندگی ہے۔ زندگی کا حق کام ہے۔ چھتری نسل میں پیدا ہوا ہے مرنے مارنے کا کیا غم کرتا ہے

چل اُٹھ تخت پر بیٹھ۔ تاج پہن۔ خلق خدا کی حفاظت کر کہ وہی تیرا سب سے بڑا عمل اور کرم ہے"

یہ تقریر بہت طویل اور موثر تھی مگر میں نے صرف خلاصہ مطلب لکھدیا۔ کیونکہ سری کرشن کی یہ تمام اصلی تقریریں حصہ دوم میں معہ حواشی کے لکھی جائینگی۔

یدہشٹر سری کرشن کی تقریر سے متاثر ہوا اور فوراً بسروچشم کہکر تخت پر بیٹھ گیا مگر کفارہ کے ایک جلسہ کی تیاری شروع کردی۔

سری کرشن ان سب کو مطمئن کر کے دہلی سے روانہ ہوئے اور سیدھے دوارکا تشریف لے گئے۔

چند روز کے بعد پھر دہلی تشریف لائے۔ اور آپکے اُن کے ہاتھ سے ایک مُردہ زندہ ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

ابھے منیو کے مُردہ بچہ کا زندہ ہونا

یہ تو ابھی پڑھا ہوگا کہ اشوتہاما نے پانڈو زادوں کے تمام نوجوان شہزادوں کو تہ تیغ کر ڈالا تہا۔ اور کوئی لڑکا ایسا نہ بچا تھا جو یدہشٹر کے بعد تاج و تخت کا وارث ہوتا مگر رانی اُترا حاملہ تھی جو ابھے منیو مقتول کی بیوہ اور سری کرشن کی بھانجی بہو ہوتی تھی۔ اس کے حمل پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی تہیں۔ کہ خدا اس کو بیٹا دے تاکہ نسل آگے بڑھے۔ اور پانڈو کا نام زندہ رہے۔

اشومیدہ یگ (کفارہ کا جلسہ) ہونے والا تھا۔ سری کرشن بھی اسکی شرکت کو دوارکا سے دہلی تشریف لائے جس دن وہ شہر میں داخل ہوئے اُسی روز رانی اُترا کے ہاں مُردہ لڑکا پیدا ہوا۔

بچہ کو مُردہ دیکھ کر کہرام مچ گیا جس پر آس لگی ہوئی تھی وہی مردہ پیدا ہو تو جتنا

ماتم کیا جاتا کم تھا۔

سری کرشن نے سُنا تو وہ بھی محل میں تشریف لائے۔ اور مردہ بچہ کو دیکھا۔ مستورات نے ان کو گھیر لیا۔ اور رو رو کر فریاد کرنے لگیں کہ بید کسی طرح یا اس بچہ کو زندہ کر دو۔ ورنہ ہمارے خاندان کا خاتمہ ہو جائیگا۔

سری کرشن کچھ دیر تو خاموش رہے۔ اس کے بعد بچہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ارے او خاک کے پتلے! سُن میں نے ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی میدان جنگ سے بھاگا۔ اگر میری ان نیکیوں کی خدا کے ہاں کچھ قدر ہے تو اُنکے طفیل تو زندہ ہو جا"

اتنا کہنا تھا کہ بچہ حرکت کرنے لگا۔ اور اُس میں سانس پیدا ہو گیا۔ سری کرشن کا یہ معجزہ دیکھ کر تمام حاضرین ان کے قدموں میں گر پڑے۔

اس بچہ کا نام پریکشت رکھا گیا۔ اور آخر میں یدہشٹر کے بعد پھر یہی تاج و تخت کا وارث ہوا۔

مردہ کا زندہ کر دینا آریہ سماجی حضرات کو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی قوم اس واقعہ پر کچھ بھی تعجب نہ کریگی اس کا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے اپنے بندوں کے ہاتھ سے مُردے زندہ کرا سکتا ہے۔ اگلے زمانہ کے پیغمبروں نے مردے جلائے ہیں آخر زمانہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی اُمت کے اولیاء اللہ نے بیسیوں مردے زندہ کئے ہیں۔

اگر آج یورپ و امریکہ کے فلاسفر اور سائنس داں کوئی مشین یا طریقہ مردہ زندہ کرنے کا ایجاد کر لیتے تو غالباً آریہ سماجی صاحبان سری کرشن کے اس معجزہ کو بھی قبول کر لیتے کیونکہ وہ اور ان جیسے تمام پرستاران عقل خواہ وہ ہندو

ہوں یا مسلمان - عیسائی ہوں یا پارسی اپنے گھر کے کمالات کو جب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ یوروپ کی تصدیق بھی اسپر ہوجائے ؛
سری کرشن نے بچہ سے یہ خطاب نہیں کیا کہ تو میرے حکم سے زندہ ہوجا بلکہ اُنہوں نے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ قرار دیکر ایک طرح کی دعا مانگی - اور یہی وہ معیار ہے جسکو ہم مسلمانوں نے انبیا اور اولیا کی زبان سے سُنا ہے - یعنے ان لوگوں نے جب کبھی مُردہ زندہ کیا تو خدا ہی سے دعا کرکے کیا مسلمان اس حدیث قدسی سے واقف ہیں جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے سچے رسول محمدؐ مصطفےٰؐ کی زبان سے فرمایا ہے ؛

کہ جب بندہ نیک اعمال سے میری قربت حاصل کرلیتا ہے تو میں اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں - مجھسے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں - مجھ سے کام کرتا ہے اور پکڑتا ہے - میں اس کا کان بن جاتا ہوں مجھسے سنتا ہے - میں اسکی زبان بن جاتا ہوں - مجھ سے بولتا ہے ؛

لہذا اگر کسی نیک اعمال بندۂ خدا سے کوئی ایسا کام ہو جو عقل اور فطرت ظاہر کے خلاف نظر آئے تو خیال کرلینا چاہیئے کہ اس کا کرنے والا خدا ہی تھا - دیکھنے میں ایک بندہ کے ہاتھ یا زبان سے ہوا مگر اس کا فاعل حقیقی وہی پروردگار ہے ؛

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سری کرشن جی کی شخصیت ایک نبی ہی آدمی کی - یا اوتار کی ضرور تھی - ورنہ اُن سے ایسی عجیب درخواست نہ کیجاتی - یعنے اُنکو مُردہ بچے کے زندہ کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا - جو آریہ سماجی سری کرشن کے درجۂ اوتار اور مرتبہ مذہبی کے منکر ہیں اور محض ایک نامور راجہ انکو کہتے ہیں وہ ان تمام واقعات پر غور کریں جنکو میں نے اس کتاب میں جگہ جگہ اشارہ کرکے بتایا ہے ؛

سری کرشن کی وفات

پریکشت کو زندہ کر کے سری کرشن دہلی سے دوارکا تشریف لے گئے اور پھر وہ کبھی دہلی نہ آئے۔

لکھا ہے کہ ۳۶ برس تک اس کے بعد وہ اور زندہ رہے۔ اسی اثنار میں انکے خاندان نے باہمی کشت وخون سے اپنا ستیاناس کر لیا۔

سری کرشن کے کیرکٹر اور خصائل کو اس مختصر سے بیان زندگی سے سمجھ لیا گیا ہوگا کہ وہ بداعمالوں کو فنا کرنے کیلئے دنیا میں ظاہر ہوئے تھے۔ کنس بجراسندہ۔ دریودہن اور تمام بڑے بڑے ظلم کاروں کا اُنہوں نے خاتمہ کر دیا۔ اور ان مقاتل میں کبھی رحم یا ترس ان کے افعال واقوال سے ظاہر نہ ہوا۔ حالانکہ ان میں ان کے دوست احباب اور رشتہ دار لوگ بھی تھے۔

یہی کیفیت دوارکا میں پیش آئی۔ وہاں تو ان کے سب بھائی بند اور بال بچے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شراب خواری۔ جوئے بازی۔ کینہ حسد۔ اور صدہا عیبوں میں ان کی برادری مبتلا ہو گئی ہے تو انہوں نے ایسا ڈھنگ اختیار کیا کہ ایک مخصوص مجمع میں جو شہر کی آبادی سے باہر تھا اور جہاں تمام لوگ جمع ہوئے تھے۔ خانہ جنگی کی تلوار چل گئی اور ایسی چلی کہ کل دو چار کو سوا کوئی بھی زندہ نہ بچا۔

سری کرشن خود بھی اس خانہ جنگی میں موجود تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر فریق کو شہ دے دیکر لڑاتے تھے۔ کبھی اس گروہ میں آتے اور اُسکو بھڑکاتے کبھی اُس فرقہ میں جاتے اور اُسکو آمادہ قتال کرتے۔ غرض ایسی دھواں دھار خونریزی ہوئی کہ دو چار کے سوا کوئی بھی زندہ نہ بچا۔

اثنائے قتال میں سری کرشن برابر مسکراتے تھے۔ گویا اُن کو اس خونریزی

میں مزا آرہا تھا۔ صرف بلرام۔ سری کرشن اور دو چار آدمی بچے تھے۔ باقی سب کا وہیں ڈھیر ہوگیا ؛

اِس واقعہ سے بعض دلوں میں خیال آئیگا کہ خدا والہ کا کام خون خرابے کرانا نہیں ہے۔ مگر ان کو حضرت نوحؑ کا خیال بھی کرنا چاہئے۔ جنھوں نے بداعمالیوں کے لیئے خدا سے دعا کر کے طوفان بُلایا۔ اور تمام مخلوقات کو غرق کرادیا ؛

یہ سب قدرت خدا کے کرشمے ہیں۔ کبھی وہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے کبھی انپر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ اور فنا کر ڈالتا ہے۔ سری کرشن بھی خدا کی طرف سے مامور تھے۔ کہ نافرمان بندوں کا قلع قمع کردیں۔ اور اس کا خیال نہ کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بھائی ہے۔ یا رشتہ دار ہے۔ یا دوست ہے چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ساری زندگی اسی فرض کی تعمیل میں بسر کر دی ؛

القصہ جب جادو خاندان کا خاتمہ ہوچکا تو سری کرشن جنگل میں نکل گئے اور وہاں جاکر یاد الٰہی کرنے لگے۔ اور ان کا بھائی بلرام بھی دوارکا سے نکل کر سمندر کے کنارے جا بیٹھا اور وہیں اُس کا انتقال ہوگیا ؛

ارجن کو یہ خبر دہلی میں پہنچی تو وہ دوارکا آیا اور اُس نے سری کرشن کے پوتے بزر کو تخت نشین کر کے باقیماندہ خاندان کا حاکم بنا دیا ؛

سری کرشن مدتوں جنگل میں عبادت کرتے رہے۔ ایک دن وہ مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ دور سے ایک شکاری نے اُن کو دیکھا تو ہرن خیال کر کے تیر مارا جس سے سری کرشن سخت زخمی ہوگئے۔ شکاری قریب آیا تو سری کرشن کو اپنا شکار بنا دیکھ کر بہت گھبرایا۔ قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ سری کرشن پھر مُسکرائے اور فرمایا "جا جا معاف کیا" یہ کہہ کر گر پڑے اور جان تن سے نکل گئی ؛

خدا کے مقبول و برگزیدہ بندہ کی حالت کو دیکھنا جس نے ہندوستان کے کونہ کونہ میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ جس نے تمام سرکش اور فرعون صفت ظلم رانوں کو خاک میں ملا دیا تہا۔ جسکے عقل و ہنر سے تاج و تخت پیدا ہوتے اور مٹتے تھے آج وہ دُنیا سے چلا تو کس سادگی سے چلا۔ اس نے دنیا کی حشمت و دولت میں لات مار دی۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی طرح فرش خاک پر لیٹا۔ اور جان خدا کے سپرد کر دی۔ آج نہ کوئی تیماردار اس کے پاس تہا۔ نہ غمگسار۔ نہ کوئی اسکی فکر میں آہ کرنے والا تہا۔ نہ اسکی خوشی میں واہ کرنے والا۔ بس وہ خود اکیلا تھا یا اُسکا خُدا۔ جو اپنے پیارے بندوں کا ہر جگہ ساتھ دیا کرتا ہے ؛

روایت ہے کہ سری کرشن وفات پاتے ہی آسمان کی طرف اُڑ کر چلے گئے اور پھر اُنکی لاش کا کہیں پتہ نہ لگا۔ کہتے ہیں یہ بیان خوش عقیدہ لوگوں کا من گھڑت ہے۔ مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ روح تو بہرحال اُن کی مقام اعلیٰ پر گئی جسم بھی اگر خدا نے اُٹھا لیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ کیا حضرت عیسیٰؑ مع جسم کے آسمان پر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اور جواب بھی وہاں موجود ہیں ؛

بس ختم

جو لکھنا تھا لکھ چکا۔ جو کہنا تھا کہہ چکا۔ سری کرشن کی آپ بیتی سارے جگ کے سامنے رکھدی ؛

یہ کہنا اور دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ میں نے سری کرشن کی تمام زندگی کا حال لکھدیا ہے یا اُن کی تعلیمی اور عملی برتری کو پُورا بیان کیا ہی۔ کیونکہ اِس مختصر کتاب میں اسکی گنجائش کہاں تھی۔ اسمیں تو صرف ایک سرسری تذکرہ انکی زندگی کے بڑے بڑے واقعات اور حالات کا ہی جس سے مسلمان قوم کو سری کرشن کی ذات سے آگاہ کرنا مقصود تھا اور مَیں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھ کو یہ فرض ادا کرنے کی توفیق دی اور اپنے وطن ہندوستان کی ایک ضروری خدمت میرے قلم سے ادا کرائی جسپر ملک کی آئندہ محبت اور دو فرقوں کے اتحاد کا انحصار ہے ؛

ہم سب جو اِس ملک میں رہتے ہیں ہندو ہوں یا مُسلمان۔ سکھ ہوں یا پارسی عیسائی ہوں یا یہودی۔ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ۔ امیر ہوں یا غریب۔ ایک ماں کے بچے ہیں ایک گھر کے رہنے والے ہیں۔ ملک کیخدمت کرنا ایک ہی مقصود ہم سب کا ہی۔

جنگ یوروپ کے بعد ہم سب کو اپنی برطانی سرکار سے سوراج۔ سلف گورمنٹ ہوم رول یا حکومت خود اختیاری ملنے کی توقع لگی ہوئی ہی۔ مگر وہ توقع کیونکر پوری ہوسکتی ہے جبکہ ہماری زبانوں میں اختلاف ہی۔ ہمارے مذاہب میں اختلاف ہے ہماری معاشرت یعنے رہنے سہنے میں اختلاف ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک فرقہ

دوسرے ہموطن گروہ سے ٹوٹا ہوا اور بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک اصولی اتحاد کے بغیر ہندوستان حکومت خود اختیاری کے قابل قیامت تک سمجھا جائے گا۔ اور اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہندو اپنے عقائد گھروں اور دلوں تک محدود رکھیں۔ اور مسلمانوں سے ان کو ٹکرانے کی کوشش نہ کریں۔ اور مسلمان اپنے عقائد و اعمال میں خانگی طور پر سرگرم رہ کر دوسرے فرقوں اور مذاہب کی مداخلت سے احتیاط رکھیں تاکہ باہر کی دنیا میں طرز عمل اور برتاؤ ہم سب کا بالکل متحد نظر آئے۔ اور یہ جب ہی ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں اور ان سے واقفیت حاصل کر کے غیر ہندی اقوام کے سامنے ان کا ذکر فخر کے ساتھ کیا کریں کہ ہماری کرشن ایسے تھے۔ ہمارے رام ایسے تھے۔ ہمارے اکبر ایسے تھے۔ ہمارے شاہ جہاں ایسے تھے ؂

کرشن بیتی یا حیات سری کرشن میں نے اپنے ذاتی عقائد و خیالات کی بنا پر لکھی ہے۔ مجھے اسپر اصرار نہیں ہے کہ ہر شخص میرا ہم خیال ہو جائے۔ تاہم میں نے واقعات کے بیان کرنے میں ذاتی رائے کو دخل نہیں دیا۔ حالات توجوں کے توں جیسے ہندو کتابوں۔ ہندو روایتوں میں مذکور ہیں بلا کمی بیشی کے لکھدیئے۔ البتہ کہیں کہیں اظہار واقعہ کے بعد اپنی رائے لکھدی ہے یا کیفیت کو عام فہم کرنے کی خاطر ذرا طول دیدیا ہے ؂

سری کرشن کی تقریریں جسقدر اِس کتاب میں ہیں وہ بجنسہ ان کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ اپنے طرز تحریر میں مفہوم اور مقصد ادا کر دیا گیا ہے۔

رادھاجی کی نسبت میں نے جو کچھ رائے لکھی ہے وہ صرف عارف باللہ ہندو تسلیم کر سکیں گے ورنہ جو عقیدہ ہزاروں برس سے دلوں میں جما ہوا ہے وہ مجھ اجنبی کے لکھنے سے دور ہونا محال ہے ؂

کبیر صاحب نے بھی رادھا جی کی نسبت ایک دوہے میں اسی کے قریب خیال ظاہر کیا ہے جو میں نے اس کتاب میں لکھا۔

وہ فرماتے ہیں۔ رادھا روح کی دھارا کا نام ہے نہ کسی عورت کا۔

میں نے اس کتاب میں آریہ سماجی خیالات کی اکثر جگہ مخالفت کی ہے۔ اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں آریہ سماج سے عناد رکھتا ہوں۔ بلکہ محض اختلاف رائے ظاہر کرنا مقصود تھا۔ میں اُن مسلمانوں سے بھی اسیطرح اختلاف کیا کرتا ہوں جو عقل و مادہ کی ترنگ میں روحانی آدمیوں اور روحانی باتوں کا انکار کر دیا کرتے ہیں۔

لالہ لاجپت رائے صاحب کی کتاب سے میں کرشن بیتی لکھنے میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مجھے افسوس ہے کہ لالہ صاحب کی اس رائے سے مجھے سراسر اختلاف ہے جو انہوں نے سری کرشن کے اوتار ہونے یا مذہبی آدمی ہونے یا مصنف گیتا ہونے کے خلاف دی ہے۔ یعنے وہ سری کرشن کو نہ اوتار مانتے ہیں نہ مذہبی رہنما۔ اور غضب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ گیتا سری کرشن کی تصنیف ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ گیتا کسی اور شخص نے لکھ کر سری کرشن کے نام سے منسوب کر دی ہے۔

آج سارا یورپ اور یورپ کا سب سے بڑا علمی محقق ملک جرمن تو اسپر زور دیتا ہے کہ گیتا سری کرشن کی لکھی ہوئی ہے۔ اور صرف گیتا کی تصنیف کے باعث سری کرشن کو دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کرنا پڑتا ہے۔ اور لالہ لاجپت رائے صاحب محض اس وجہ سے کہ گیتا کو سری کرشن کی تصنیف مان لیا جائے گا تو پھر اُن کو اوتار بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ گیتا میں انہوں نے خود اوتار ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تصنیف گیتا کے منکر بنے جاتے ہیں۔

اے ہندوستانیوں پرانے شگون اپنی ناک نہ کٹاؤ۔ بیشک سری کرشن خدا نہ تھے۔ اور اوتار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا کسی آدمی کے اندر حلول کرتا ہے جو ہندو سری کرشن کو خدا سمجھتے ہیں۔ یا ایسا اوتار مانتے ہیں جس کے پیٹ میں خدا بیٹھ گیا ہو وہ غلطی پر ہیں۔ اُن کو نرمی سے سمجھانا چاہئے۔ ان کو دلیلوں سے قائل کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ نصیحت کرنے بیٹھے تو بزرگوں کے واجبی اوصاف کو بھی ملیا میٹ کر دیا ٭

سری کرشن کی عظمت میں ہندوستان کی عظمت ہے سری کرشن کے اوتار ماننے اور مصنف گیتا تسلیم کرنے میں ہندوستانیوں کی آبرو ہے تم اِس میں بٹہ نہ لگاؤ۔ اور اپنے بھولے بھالے بے خبر ہندو بھائیوں کو جو نادانی سے سری کرشن کو خدا سمجھنے لگے ہیں کسی اور طریقے سے سمجھاؤ ٭

اوتار کا مسئلہ بہت پیچیدہ اور طویل بحث کا محتاج ہے جسکو اِس کتاب کے دوسرے حصے میں کھولکر بیان کیا جائیگا۔ مگر تھوڑا سا حال یہاں بھی لکھنا ضروری ہے تاکہ میری قوم مسلمان اسکو سمجھ لے ٭

اوتار کس کو کہتے ہیں

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جب انسانوں کے دینی یا دنیاوی حالات میں کوئی شدید خرابی قابل اصلاح واقع ہوتی ہے تو اللہ اوتار ظاہر کرکے اُسکو دور فرمادیتا ہے اوتاروں کا ظہور حسب ضرورت مختلف صورتوں اور حالات میں پیدا ہوا کرتا ہے مثلاً ایک راجہ تھا اور وہ بڑا سرکش اور منکر خدا تھا۔ مگر اُس کا بیٹا خدا پرست تھا راجہ خدا پرستوں پر ظلم کرتے کرتے اتنا بڑھا کہ اپنے بیٹے پر بھی ظلم کرنے لگا اور ایک دن غرور تکبر سے اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر خدا کوئی چیز ہے تو

دربار کے اس ستون سے باہر نکل آئے۔ اور تجھ کو میری تلوار سے بچالے۔ لڑکے نے جواب دیا ہاں میرے خدا میں یہ قدرت ہے۔ وہ ستون سے نکلکر میری حمایت کرسکتا ہے راجہ آگ بگولا ہوگیا۔ اور جلاد کو بیٹے کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جوں ہی جلاد آگے بڑھا ستون شق ہوگیا اور اُس میں سے شیر کی صورت کا ایک آدمی نکلا جس نے خدا پرست شہزادہ کو قتل سے بچالیا اور راجہ کا پیٹ پھاڑ کر اُسکو مار ڈالا۔ اِسکو ظہور اوتار کہتے ہیں۔ اور جب اوتار ظاہر ہوئے ہیں اِسی قسم کے واقعات پیش آئے ہیں ٭

ذی علم اور ذی فہم ہندو یہ ہرگز نہیں مانتے کہ خدا جسم انسان یا جسم حیوان اختیار کرتا ہے۔ بلکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ خدا اپنی کوئی صفت کسی آدمی کو دیتا ہو اور اسکی قوت سے وہ آدمی دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ جیسی صفت اِس آدمی کو ملتی ہے اُسی کے نام سے وتار کا نام مشہور ہوتا ہے ٭

مسلمان اگر اسکو سمجھنا چاہیں تو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت نوحؑ پیغمبر کے زمانہ میں تمام دنیا کے باشندے سرکش اور منکر خدا تھے۔ تو خدا نے حضرت نوحؑ کے ذریعہ سے پہلے اُن کو ہدایت کرائی اور جب وہ نہ مانے تو طوفان بھیجکر اُن کو غرق کردیا۔ اس اعتبار سے گویا حضرت نوحؑ طوفانی اوتار تھے۔ یا حضرت نوحؑ کے زمانہ میں شعبدہ بازاور ساحر لوگوں نے اودہم مچا رکھی تھی۔ اور اُن کے عجیب علوم کو دیکھکر خلقت فرعون کو پوجنے لگی تھی۔ اور خدا کی منکر ہوگئی تھی تو خدا نے حضرت موسیٰ کو اسی قسم کا اوتار بنایا جیسے وہ منکر تھے۔ یعنے حضرت موسیٰ کو معجزہ بھی ویسا دیا جس سے جادوگر عاجز ہوگئے۔ ساحروں نے رسیوں کے سانپ بنائے تو حضرت موسیٰؑ نے لکڑی کا سانپ بناکر دکھایا! اور اسی کا نام اوتار ہے۔ یعنے انہیں خدا نے اپنی وہ صفت دی تھی جو منکروں کی سحر کو عاجز کردے۔

حضرت عیسیٰ ؑ کے زمانہ میں حکیم طبیب بہت تھے۔ اس لئے ان کو مردہ زندہ کرنے اندھوں کو بینا بنانے کا معجزہ عطا ہوا جس سے منکر خدا طبیب حیران ہو گئے اور یہی صفت اوتار تھی۔

ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے زمانہ میں شاعروں اور زباں دانوں کی فصاحت و بلاغت کی دھوم تھی تو خدا نے ان کو ایک ایسی فصیح کتاب عنایت فرمائی جس نے ہر دعویٰ دار فصاحت کی زبان گنگ کر دی۔ اور سب منکرین خدا اس کے سامنے عاجز ہو گئے اسی کا نام صفت اوتاری ہے۔

دانشمند ہندو جنکو اپنے فلسفہ پر غور کرنے کا موقع ملا ہے کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اوتار خدا تھے یا خدا ان کے اندر سما گیا تھا۔ وہ بھی ہمارے طرح انکی ظہور صفات الٰہی کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی طرف سے مامور خیال کرتے ہیں۔

تو پھر ہم لوگ اگر ہندوؤں سے جھگڑا کریں تو کیسی فضول بات ہو گی۔ یا آریہ سماجی لوگ اپنے اوتاروں کی قدر دنیا کے دلوں سے گھٹائیں تو وہ ہرگز ملک کے خیر خواہ نہ سمجھے جائیں گے۔

میں مسلمان ہوں

میں مسلمان ہوں اور میں نے ہندوؤں کے ایک بڑے بزرگ کے حالات پر یہ کتاب لکھی ہے۔ اجنبی قوم اور اجنبی مذہب کے آدمی سے غلطیوں کا ہونا ناممکن نہیں ہے۔ لہذا ہوسکتا ہے کہ میرے قلم سے نادانستہ کوئی ایسی بات نکلی ہو جو ہندوؤں کو ناگوار گزرے۔ لیکن مجھے اُمید

ہے کہ میری نیت کا لحاظ رکھا جائیگا۔ اور ہندو اس کا خیال رکھیں گے کہ میں نے جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ اجنبیت کے سبب کچھ خلاف ہو گیا ہو تو قابل گرفت نہیں۔

اے ہندوستانیوں اب اُن اختلافات کو بھول جاؤ۔ جو حکمرانی کی کشمکش نے ہندو مسلمانوں میں ڈالے تھے۔ اب تم دونوں تیسرے کے محکوم ہو۔ اب تو تم کو ایک تن۔ ایک من۔ ایک دھن ہو کر اسی ملک میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

دیباچہ طبع ثالث

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کتاب کرشن بیتی کا دوسرا ایڈیشن ختم ہوا۔ اور دوبارہ چھاپنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ تیسری مرتبہ چھپکر تیار ہوئی۔ اور اب شایع ہوتی ہے۔

کسی نے مخالفت نہ کی

جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ اس میں سری کرشن کی اتنی زیادہ تعریف کیگئی ہے کہ ہندو بھی نہیں کرسکتا۔ اس تعریف کو عوام پسند نہ کرینگے اور اسکی مخالفت کا جوش پیدا ہوگا۔ خصوصاً وہ مسلمان جو سری کرشن سے واقف نہیں ہیں اس کتاب کو دیکھ کر ناراض ہونگے اور کہیں گے کہ ایک مسلمان کو مناسب نہ تھا کہ وہ ہندو اوتار کی اتنی تعریف کرے۔

مگر میں اس صلاح و مشورہ کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کی قوم اپنے سچے مذہب اسلام کی تعلیم کے سبب کبھی کسی غیر مذہب بزرگ کی تعریف سے ناراض نہیں ہوسکتی بشرطیکہ اس مذہبی بزرگ کی پاکبازی ثابت کرکے دکھادی جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کرشن بیتی کی کسی مسلمان نے مخالفت نہ کی۔ بلکہ مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء و مشایخ و فلاسفروں نے اسکی تعریف میں اور پسندیدگی میں مضامین شایع کئے۔

مجھ کو کارکن صاحبِ دفتر حلقۃ المشایخ نے اطلاع دی کہ کرشن بیتی کے خریدنے والے آدھے سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یعنی مسلمانوں نے ہندوؤں سے زیادہ اِس کتاب کو خریدا۔ اور پڑھا۔ جو دلیل ہے اس بات

کی کہ مسلمانوں نے اسکو پسند کیا۔ اور ان کو اس سے کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے؛

مسلمانوں کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔ اور انہوں نے ہی اسکی بڑی قدر دانی کی۔ اسپر میں خدا کا شکرانہ ادا کرتا ہوں۔ مسلمانوں کی قوم قرآن شریف کی تعلیم پر ایمان رکھتی ہے اور قرآن میں لکھا ہے کہ خدا نے ہر ملک میں نبی اور پیغمبر بھیجے تھے۔ اور کوئی قوم بھی ایسی نہیں گزری جسمیں خدا کی طرف سے ہادی نہ گیا ہو قرآن میں ہے ولکل قوم ھاد ہر قوم کو ایک ہدایت کرنیوالا دیا گیا۔ پھر وہ کیوں ہندوستان کے ہادی سری کرشن کے اصلی حالات سُنکر اور پڑھ کر کرشن بیتی کی مخالفت کرتے۔ مسلمان ایک سچے اور سچوں کی قدر کرنے والے مذہب کے پیرو ہیں۔ انپر یہ بدگمانی کبھی نہ کرنی چاہیئے کہ وہ غیر مذاہب کے بزرگوں اور ہادیوں کے منکر ہیں۔ یا مخالف ہیں۔ یا ان کا اصلی تذکرہ سننا نہیں چاہتے؛

ہندؤں کی قدردانی

بحیثیت مجموعی ہندو قوم نے بھی اسکی قدر دانی میں حصہ لیا مگر مسلمانوں سے کم۔ مگر جن ہندؤں نے اس کو ایک دفعہ پڑھا تو پسندیدگی کے اظہار سے باز نہ رہے۔ چنانچہ کئی سو خطوط ہندو حضرات کے کرشن بیتی کی تعریف میں میری پاس آئے۔ اور انگریزی گجراتی۔ ہندی۔ اردو اخبارات جسقدر ہندؤں کے ہاتھ میں ہیں اُنہوں نے اس کی تعریف میں بڑے بڑے لیڈر لکھے۔ مدراس کے مشہور انگریزی اخبار نیو انڈیا اور الہ آباد کے نامور انگریزی پرچہ لیڈر میں کئی بار کرشن بیتی کی تعریفیں ہندؤں کی طرف سے شائع ہوئیں؛

ہندو ریاست میسور

نے بغیر میری ترغیب کے بلکہ بالکل میری بیخبری میں سکول تعلیمی محکمہ کے لئے منظور کیا۔ اور امید ہے کہ دیگر اسلامی اور ہندو ریاستیں بھی اپنی رعایا کے ہندو مسلمان طالبعلموں کو اس کتاب سے فائدہ اُٹھانیکی رغبت دلائینگی۔ تاکہ اتحاد خیالات کا مقصد پورا ہو۔

انگریزی ترجمہ

میرے دوست جناب مولوی حفیظ صاحب ایم اے ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل دہلی کرشن بیتی کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔ جو امید ہے کہ ایسا ہی پسند کیا جائیگا جیسی کہ اصل کتاب مقبول ہوئی

ریویو

کرشن بیتی کی نسبت اخبارات و اشخاص کے اتنے زیادہ ریویو تھے کہ اگر ان سب کو شائع کیا جاتا تو کتاب ڈبل ہو جاتی۔ اسواسطے میں نے طبع ثانیہ میں ان کو نہیں لیا۔ صرف ہز ایکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر سابق وزیر اعظم حیدر آباد دکن۔ اور جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے مصنف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع وغیرہ کے ریویو درج کر دیئے۔ تاکہ ایک رائے ہندؤں کی طرف سے ہو جائے اور ایک مسلمانوں کی جانب سے؛

کرشن بیتی کا دوسرا حصہ

اکثر لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کرشن بیتی کا دوسرا حصہ جس کا ذکر جگہ جگہ کتاب ہذا میں آیا ہے کب شائع ہوگا؛

ان کی خدمت میں عرض ہے کہ دوسرے حصہ کے شائع ہونے میں ابھی دیر ہے کیونکہ مجھے بہت کم فرصت ہے۔ اور دوسرے حصہ کا کام اتنا نازک اور مشکل ہے کہ پوری فرصت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ غالباً ۱۹۲۱ء کے آخر تک (اگر زندہ رہا اور خدا نے مدد کی) یہ حصہ تیار ہو جائیگا؛

کرشن بیتی نام

اکثر ہندو دوستوں نے زبانی اور تحریری اطلاع دی کہ کتاب کا نام کرشن بیتی اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ بیتی مصیبت اور رنج کی زندگی کے تذکرہ کو کہتے ہیں۔ کرشن بیتی کی جگہ کرشن جیون یا کرشن چرتر نام ہونا چاہئیے۔

انکی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے یہ کتاب مسلمانوں کے لئے لکھی ہے اور مسلمان جیون اور چرتر کے الفاظ کو عام طور سے نہیں سمجھ سکتے اور حیات کرشن۔ آف کرشن نام مجھ کو اچھے نہ معلوم ہوئے کیونکہ ایک عربی ہے اور ہندو اس سے کم آشنا ہیں۔ اور دوسرا انگریزی ہے۔ اسواسطے میں نے بیتی کا لفظ اختیار کیا۔

بیتی کا مفہوم گو مصیبت ہو مگر وہ مختصر ہے۔ اور عام فہم ہے۔ میں نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے حالات میں جو کتاب لکھی ہے اسکا نام بھی رسول بیتی رکھا ہے۔ اور اپنی لائف کا نام بھی آپ بیتی مقرر کیا ہے۔ اور جگ بیتی کے نام سے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے۔

بہرحال میں پبلک رائے سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اور کرشن بیتی نام کے ساتھ شروع کے ورق پر حالات سری کرشن نام بھی لکھوا دیا ہے .... کیونکہ کرشن بیتی نام مشہور ہو گیا ہے اب اس کا بالکل ترک کر دینا ممکن نہیں۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد کا شکریہ

میں ممنون ہوں اپنے دوست اور ذی علم بھائی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا جنھوں نے کرشن بیتی پر بہت دلچسپ ریویو لکھا۔ اور کرشن بیتی کے تمام ضروری مقامات کو نمایاں کرکے دکھایا مگر افسوس ہے کہ گنجائش کم تھی اور مہاراجہ بہادر کے ریویو کا آدھے سے زیادہ حصّہ چھوڑ دینا پڑا جسمیں مہاراجہ بہادر نے نہایت عالمانہ تحقیقات سے ہندو مذہب اور ہندو تمدن کی تاریخ لکھی تھی۔

اگرچہ مہاراجہ بہادر نے اس ریویو کو علیحدہ رسالہ کیصورت میں شایع کرنے کی خواہش فرمائی تھی اور مصارف بھی خود ادا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر میرے احباب نے اسکو زیادہ مناسب جانا کہ ریویو کتاب کیساتھ شایع ہو۔ اسواسطے اسکو کم کرنا پڑا جسکا مجھے بہت افسوس ہے کہ ایک بہت شاندار حصّہ ریویو کا خارج ہو گیا۔

سب ناظرین کا شکریہ

طبع ثانی کے اس دیباچہ کو ختم کرتے وقت میں ان تمام ہندو مسلمان ناظرین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی نسبت اچھے اچھے خیالات ظاہر کئے۔ اور مجھ کو خط لکھ کر میری ہمت بڑھائی۔

اصلی تعریف یہ ہے کہ وہ سب حضرات ہندو مسلمانوں کو اس کتاب سے اتحاد باہمی کا سبق دیں تاکہ میرا وہ دلی مقصد پورا ہو جو اس محنت شدید کا باعث تھا۔

ہندی ترجمہ

میری خواہش ہے کہ کوئی ہندو صاحب اس کا ہندی ترجمہ بھی شایع کریں تاکہ ہندی خوان حضرات اس کتاب کو پڑھ سکیں۔

اگست ۱۹۲۳ء

حسن نظامی

۷۸۶ ھوالکل یا معین

مسلمانوں میں سری کرشن کا اوتار

طبع سوم کا ضمیمہ

ناظرین نے ابھی اس کتاب میں اوتار کی بحث پڑھی ہوگی جس میں مختصر طور سے بتایا گیا ہے کہ ہندوؤں میں اوتار کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدہ پیغمبری سے کچھ بہت جدا نہیں معلوم ہوتا۔ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ جب کسی قوم یا ملک میں گمراہی پھیل جاتی ہے۔ تو خدا تعالے اس قوم یا ملک میں ایک آدمی کو اپنا نبی یا پیغمبر بنا دیتا ہے۔ جو عام آدمیوں کی طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا اور سب بشری کام کرتا ہے مگر اس کے اندر غیبی اور روحانی طاقت سب آدمیوں سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ خدا کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اس کا کام خدا کا کام مانا جاتا ہے۔ چنانچہ آخر زمانہ کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کی زبانی خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جب بندہ نیک اعمال کرتا ہے تو میرے اتنے قریب ہو جاتا ہے کہ میں (یعنی خدا) اس کی آنکھ بنجاتا ہوں مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اسکی زبان بن جاتا ہوں مجھ سے بولتا ہے میں اُسکا ہاتھ بن جاتا ہوں مجھ سے کام کرتا ہے۔

یہ صفات خدا نے عام نیک آدمیوں کی فرمائی ہیں اور حدیث کی مشہور صحیح کتابوں بخاری اور مسلم میں یہ حدیث قدسی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایک عام نیک آدمی اچھے کام کرنے سے خدا کے اسقدر نزدیک ہو سکتا ہے کہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ اسکی زبان خدا کی زبان۔ اسکی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے تو وہ آدمی جس کو خدا خود اپنا پیغمبر اور نبی بنائے اور اس پر اپنی

وحی نازل کرے۔ اور اپنے پوشیدہ راز اسپر ظاہر کرے کیسی کچھ طاقت رکھتا ہوگا۔
اور اس میں اور خدا کی ذات میں کچھ بھی فرق باقی نہ رہتا ہوگا۔

ہندوؤں کے ہاں بھی اوتار کا یہی مطلب ہے کہ جب کسی قوم یا ملک کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں تو خدا ایک آدمی کو اپنی ذاتی و صفاتی قوتیں دیسے کر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ آدمی اِن طاقتوں سے اِن خرابیوں کی اصلاح کر دیتا ہے اِس آدمی کو ان کی زبان میں اوتار کہتے ہیں۔

لہذا ہندوؤں کے اوتار اور مسلمان کے پیغمبر کے ایک ہی معنے ہیں اور اِن دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اگر کچھ فرق ہے تو صرف زبان کا ہے۔ الفاظ کا ہے یا عادات و خصائل کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو اوتار کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اوتار خود خدا ہوتا ہے یعنی خدا اوتار کی شکل میں نمودار ہوتا ہے یا بعض کہتے ہیں کہ خدا اوتار کے اندر حلول کر لیتا ہے یعنے اوتار کے جسم میں سما جاتا ہے۔ اور مسلمان اپنے پیغمبروں کی نسبت یہ عقیدہ نہیں رکھتے۔ بلکہ خدا کو ایک علٰحدہ ہستی اور پیغمبر کو ایک جداگانہ وجود تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ہندوؤں کے اوتار اور مسلمانوں کے پیغمبر میں کیونکر مطابقت ہو سکتی ہے اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مذہب اسلام خدا کی ذات کو کسی شکل یا ہیئت میں محدود نہیں مانتا۔ بلکہ اُسکو اِن تمام باتوں سے علٰحدہ سمجھتا ہے تو پھر جب وہ اپنے نیک بندوں کی آنکھ زبان اور ہاتھ بن جاتا ہے تو اُس کا مطلب یہی ہونا چاہیئے کہ اسکی ذات و صفات کی قوت کا ظہور بندہ کی آنکھ زبان اور ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اسیواسطے کہا گیا ہے کہ فلاں بندہ مظہر ذات سبحانی ہے۔ یعنی فلان شخص کے اندر ذات الٰہی نے اپنا جلوہ ظاہر فرمایا ہے۔ اور وہ شخص خدا کی ذات کا آئینہ ہے یعنی اس میں خدا کی ذات نظر آتی ہے۔

حالانکہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ اس آدمی میں اسکی آدمیت کے سوا اور کوئی نئی چیز ظاہر دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ وہ عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبروں کے اندر بھی خدا کی ذات وصفات اپنا دخل کہتی ہے۔ اور پیغمبر خدا کی ذات سے قایم ہوتا ہے۔ خدا کی آنکھ سے دیکھتا ہے خدا کی زبان سے بولتا ہے۔ اور خدا کے ہاتھ سے کام کرتا ہے۔

ہندو بھی اوتار کو بالذات خدا نہیں کہتے۔ اگر بالذات خدا کہتے تو لفظ اوتار کے استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اوتار کا لفظ استعمال کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اوتار کو حقیقی خدا نہیں سمجھتے اور نہ خدا ایسی چیز ہے کہ ایک آدمی کے اندر مقید ہو جائے۔ بلکہ ہندو اُسی شخص کو اوتار کہتے ہیں کہ جس کے اندر خدا کی ذات وصفات کا جلوہ نمایاں ہو۔ اور وہ خدا کی صفات کا آئینہ ہو گیا ہو۔

آگے جا کر لالہ کنور سین صاحب ایم اے۔ پرنسپل لا کالج لاہور کا ایک مضمون سری کرشن کے اوتار ہونے کے متعلق درج کیا گیا ہے۔ اس سے بیان پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ ہندو جسکو اوتار کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاں جس کا پیغمبر نام ہے، وہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، آپس میں کچھ فرق نہیں ؛

مسلمانوں میں سری کرشن کا اوتار

یہ تمہید بیان کرنے کے بعد اب اصل مقصود بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے سری کرشن کے اوتار کو کیونکر مان لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس بیان کو شروع کیا جائے یہ کہدینا ضروری ہے کہ یہ عقیدہ ثبوت ہے اس بات کا کہ سری کرشن اتنی عظیم الشان شخصیت رکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک بہت بڑا گروہ انکی بزرگی کا قائل پایا جاتا ہے۔ اور اپنے پیغمبر کو ان کا اوتار سمجھتا ہے۔ میں اس کتاب میں چالی

بطور ضمیمہ کے محض اس وجہ سے بڑھانا چاہتا ہوں کہ کرشن بیتی پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے
کہ آج بھی سری کرشن کے متعلق غیر ہندو اقوام میں محبت و ادب کے جذبات پائے
جاتے ہیں۔ جو لوگ کسی شخص کو سری کرشن کا اوتار تسلیم کرتے ہیں۔ میں اُن کی مخالفت
یا موافقت نہیں کرنی چاہتا۔ میرا کام ایک مورخ کی حیثیت رکھتا ہے اور مورخ
صرف واقعات اور حالات جمع کیا کرتا ہے۔ اِن واقعات و حالات پر ذاتی عقائد کی
بنا پر تائید و مخالفت کرنا اس کے منصب تاریخ نویسی کے خلاف ہے۔

تین چار صدی سے ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عقیدہ پھیلا رہی
ہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ سری کرشن کے اوتار تھے۔ یعنی جس طرح سری کرشن کے
مختلف اوتار ہندوستان میں ہو چکے ہیں۔ اسی طرح عرب میں حضرت محمد رسول اللہ
بھی ان ایک اوتار تھے۔ اور ان کے اندر وہی نور تھا جو ہندوستان کے اوتاروں
میں بارہا ظاہر ہوا۔ جو نور رامچندر جی کے اوتار میں تھا۔ اور جو نور مہاتما بدھ بانی بدھ
مذہب کے اوتار میں تھا اور جو نور خود سری کرشن کے اوتار میں تھا وہی نور
آخر میں حضرت محمدؐ کے اندر نمودار ہوا۔ اور حضرت محمد سری کرشن کی پیشین گوئی کے
موافق ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اوتار بنکر ظاہر ہوئے۔

اِن لوگوں کا بیان ہے کہ کلجگ کا اوتار آخری اوتار ہے۔ اس کے بعد اور کوئی
اوتار نہیں آئے گا۔ یہاں تک کہ پہلے یعنی قیامت ہو جائیگی۔ اور اس دعویٰ کی سند
وہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے پیش کرتے ہیں انکا کہنا ہو کہ کل جگ کے اوتار حضرت محمدؐ نے
حضرت علیؓ کو دنیا کے سدھار اور ہدایت کا کام سپرد کر دیا۔ اور حضرت محمدؐ کا اوتاری روپ
حضرت علیؓ میں آگیا۔ اور حضرت علیؓ کا اوتاری روپ ان کی اولاد میں نسل بعد نسل
آتا رہا اور اب وہ اوتاری روپ ہز ہائی نس سر محمد شاہ آغا خان میں ہے۔

یہ لوگ تھروید۔ گیتا۔ سری مدبھاگوت۔ کلنکی پران۔ وشنو پران

مہابھارت وغیرہ کتابوں کے حوالہ پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت محمدؐ اور ان کے بعد حضرت علیؑ کے اوتار ہونے کی خبریں دیگئی ہیں۔

اِن کا بیان ہے کہ اتھرون وید میں حضرت محمدؐ کا نام صاف طور سے بتایا گیا ہے اور گیتا کے چوتھے ادھیائے کے تیسرے اور آٹھویں اشلوک میں آخری اوتار کا ذکر سری کرشن نے کیا ہے۔ اور وشنو پران میں سری کرشن کے ذکر کے آخر میں اِس آخری اوتار کا حال ہے۔ اور سری مدبھاگوت کے سکندماہ کے پہلے دوسرے اور نویں ادھیائے میں اُس اوتار کی کیفیت ہے۔

پیر صدرالدین پیر امام الدین پیر شمس الدین وغیرہ کے نام تاریخوں میں ملتے ہیں کہ آج سے تین چار سو برس پہلے یہ لوگ ہندوستان میں آئے اور اُنھوں نے یہ بیان کیا کہ سری کرشن کا آخری اوتار عرب میں ظاہر ہوگیا۔ اور وہ حضرت محمدؐ تھے اور حضرت محمدؐ نے اپنا اوتاری روپ حضرت علیؓ کو دیدیا اور حضرت علیؑ کا اوتاری روپ اُن کی اولاد میں ایک خاص شخص کو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سندھ علاقہ بمبئی۔ گجرات۔ کچھ۔ کاٹھیاواڑ۔ دکن اور پنجاب وغیرہ میں لاکھوں آدمیوں نے اس اوتار کی تصدیق کی اور وہ حضرت علی کو سری کرشن کا اوتار ماننے لگے۔

پنجاب میں پیر شمس الدین تبریزی نے اس خیال کی اشاعت کی تھی جنکا مزار ملتان میں ہے۔ آج لاکھوں کہار اور سُنار پنجاب میں موجود ہیں جو شمسی ہندو کہلاتے ہیں اور یہ سب حضرت علیؑ کو کرشن جی کا اوتار مانتے ہیں۔ اور موجودہ سر آغاخان میں اسی اوتاری روپ کو تسلیم کرتے ہیں پیر صدرالدین کی تلقین سے کچھ، گجرات سندھ، کاٹھیاواڑ، دکن، اور علاقہ بمبئی میں لاکھوں آدمی اِس عقیدہ کے پیرو ہوگئے۔ اور حضرت علیؑ کو سری کرشن کا اوتار ماننے لگے اور موجودہ سر آغاخان کو وہی کرشن روپ اوتار سمجھتے ہیں۔ علاقہ گجرات میں پیر

امام الدین کے لاکھوں پیرو ہیں - اور یہ سب بھی حضرت علی کو سری کرشن کا اوتار مانتے ہیں - مگر یہ سر آغا خان کو تسلیم نہیں کرتے - اس فرقہ کا نام امام شاہی ہے اور ان کے ہاں ایک کتاب ست دینی کے نام سے بڑی مقدس سمجھی جاتی ہے - انکی بڑی بڑی گدیاں بمقام احمد آباد اور پیرانا اور نوساری اور برہان پور میں ہیں - امام شاہی جماعت کی تعداد بھی اندازاً بیس[20] لاکھ بیان کیجاتی ہے - اور اس سے بہت زیادہ آغاخانیوں کی جماعت ہے - گویا یہ پچاس ساٹھ لاکھ آدمی حضرت علیؓ کو سری کرشن کا اوتار مانتے ہیں ؛

اسی طرح پرنامی نام پنتھ کے نام سے ایک فرقہ ہے جسکو معراج پنتھ بھی کہتے ہیں - اس فرقہ کے بانی پران ناتھ جی تھے جو اورنگ زیب کے زمانہ میں ہوئے ہیں - انکی پیدائش جام نگر کاٹھیاواڑ میں ہوئی اور انتقال ریاست پنا میں ہوا اس فرقہ کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے جام نگر اور پنا اور سورت اور نگر میں ان کے بڑے بڑے مندر ہیں جنکو دھام کہا جاتا ہے یہ فرقہ بھی حضرت محمدؐ کو سری کرشن کا اوتار تسلیم کرتا ہے - مگر ان کے ہاں حضرت علیؓ میں اوتاری روپ کے منتقل ہونے کا عقیدہ نہیں ہے - ان کے ہاں بھی ایک کتاب ہے جس کو قلزم سروپ" کہتے ہیں ان کے مندروں میں کوئی مورت نہیں رکھی جاتی - بلکہ یہی کتاب قلزم سروپ بڑی تعظیم و تکریم سے اور شان و شوکت سے رکھی ہوئی ہے - اس کتاب کی زیارت کر لینا ان کے ہاں بہت بڑا ثواب سمجھا جاتا ہے - یہ کتاب قدیمی ہندی زبان میں ہے اور اس کے دو حصہ ہیں - ایک حصہ میں سارے قرآن کا خلاصہ ہے اور وہ تیس[30] پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے - اور ایک حصہ میں وید و پران کا خلاصہ ہے - یہ لوگ اس کتاب کو بغیر نہائے ہاتھ نہیں لگاتے - سورت میں میں نے اس مندر کی زیارت کی تھی جو سید واڑہ کے محلے میں واقع ہے - اس کے موجودہ

مہنت کا نام مہاراج رنگی لال جی نیپالی ہے۔ انکی اجازت سے میں مندر کے اندر گیا اور قلزم سروپ کی زیارت کی۔ مگر اُنہوں نے مجھ کو اجازت نہ دی کہ میں اس کتاب کو ہاتھ لگاؤں اُنہوں نے کہا کہ قرآن کا حکم ہے کہ اِس کتاب کو پاک لوگوں کے سوا کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ مگر مسلمان اسکی کچھ پروا نہیں کرتے۔ ہر شخص قرآن کو ہاتھ لگا دیتا ہے لیکن ہم لوگوں میں اسکی بہت احتیاط ہے۔ کوئی شخص غسل کئے بغیر کتاب کو چھو نہیں سکتا اِن مہنت سے معلوم ہوا کہ گجرات اور کاٹھیاواڑ و سندھ و نیپال و بھوٹان و برما و پنجاب میں پرنامی پنتھ کے لاکھوں پیرو ہیں۔

پرنامی کے معنی آخری مذہب کے ہیں۔ اِس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ سری کرشن کے آخری اوتار تھے۔ اور چونکہ ہم آخری اوتار کے پیرو ہیں اسواسطے ہمارا مذہب آخری مذہب ہے۔

ہزہائی نس سر آغا خان کے ماننے والے بیان کرتے ہیں کہ اوم ہر چیز کی بنا ہے۔ اور اوم جس طرح سنسکرت میں لکھا جاتا ہے اِسی طرح عربی میں علی کا لفظ لکھا جاتا ہے پس علی اور اوم ایک ہی چیز ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ اور ان کا بیان ہے کہ اِس آیت سے حضرت علیؓ اور اوم کا ایک ہونا ثابت ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ

اِس آیت کے معنے یہ بیان کرتے ہیں "اور تحقیق وہ ام الکتاب ہیں ہمارے سامنے البتہ علی ہے حکمت والا۔"

آغا خانی جماعت کا بیان ہے کہ عربی میں "اُم" کا لفظ والدہ کے معنوں میں آتا ہے۔ تو ام الکتاب کے معنی کتاب کی ماں ہوئے اِس سے حضرت علیؓ حکمت والے اور کتاب کی ماں قرآن کے بیان سے ثابت ہوئے۔

ہندو ویدوں میں بھی "اوم" کو ہر چیز کی بنا اور اصل بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح کہ اوم ہر چیز کی بنا اور اصل ہے اِسی طرح حضرت علیؓ تمام کائنات کی اور تمام حکمتوں کی اصل اور بنیاد ہیں اور یہی ثبوت ان کے آخری اوتار ہونے کا ہے۔ میں نے کوشش کر کے اس اوم کا ایک فوٹو حاصل کیا ہے جو آج کل ہر آغا خانی کے سینے پر لاکٹ کی صورت میں لٹکایا جاتا ہے۔ اور اُن کی تمام کتابوں میں بھی درج ہوتا ہے یہ اوم سنسکرت رسم خط میں ہے عربی کے خط کوفی کے رسم خط کی بموجب اس کو غور سے دیکھا جائے تو واقعی تعجب ہوتا ہے کہ اسکی صورت بالکل علی کی سی ہے۔

آغا خانی جماعت کا بیان ہے کہ ہندوستان کے نجات دینے والے ہز ہائی نس سر آغا خان ہیں۔ اور ان کے طفیل اِس ملک کو جسمانی و روحانی آزادی حاصل ہو گی۔ اور ہندو مسلمانوں میں ان کی باطنی اور غیبی اوتاری قوت سے ایسا اتحاد ہو جائے گا جو اور کسی ظاہری اور مادی کوشش سے ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ سری کرشن کا اوتار ہیں۔ اور سری کرشن ہی ہمیشہ اِس ملک ہندوستان کی بصورت اوتار مختلف ضرورتوں کو مختلف صورتوں میں پورا کیا کرتے ہیں۔

آغا خانی جماعت کا یہ عقیدہ کتنا ہی عجیب معلوم ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان کی قوموں کو آپس کے اتحاد کی ضرورت ہے اور بغیر اتحاد و اتفاق کے اسکو آزادی میسر آنی ممکن نہیں۔

سر آغا خان سری کرشن کا اوتار ہوں یا نہ ہوں مگر ہندوستانی چاہتا ہے کہ کوئی قوت ہندوستان کو متحدہ طاقت بنا دے۔ اور اسی کوشش میں میں نے یہ کتاب کرشن بیتی لکھی ہے۔

(حسن نظامی)

سری کرشن بھگوان

ہندوؤں نے ان کو اوتار کیوں مانا؟

اسباب عقیدت کا مطالعہ

از جناب لالہ کنور سین صاحب ایم اے پرنسپل لاء کالج لاہور

(۱) مہرشی ویاس جی کی نسبت روایت ہے کہ جب مہا بھارت گنیش جی کے ہاتھوں لکھوا چکے، تو بجائے اس کے کہ ایسی معرکۃ الآرا تصنیف پر فخر و ناز کرتے یا خوش ہوتے جو نفس مضمون اور طرز کلام کے اعتبار سے دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، ازبس مغموم اور اُداس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں نارد جی کا ادھر سے گزر ہوا، طبیعت کا حال احوال پوچھا، ویاس جی نے کہا "سنی ناتھ! میں نے کورو پانڈو کی جنگ عظیم کا حال لکھ دیا بیسیوں دیوتاؤں سیکڑوں راجوں اور ہزاروں جوانمردوں کے کارنامے نظم کی لڑیوں میں پرو دیئے۔ ایک لاکھ شلوک کہہ ڈالے۔ مگر دل کا ارمان نہیں نکلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کہا۔ حسرت کہو یا کلفت کچھ کمی ہی محسوس کرتا ہوں۔ مگر پتہ نہیں لگتا کہ کیا بات ہے۔ اس کا کوئی علاج بتایئے۔"

(۲) نارد منی تینوں لوک کے گھومنے ہر کس و ناکس سے ملنے والے۔ راجہ پرجا، رشی منی، عورت مرد، جوان بوڑھے، سب سے بات چیت کر کے پوری باخبر رہنے والے عالم باعمل تھے۔ قیافہ سے تاڑ گئے کہ رشی کے دل میں بھگتی بھاد کی ترنگ اُٹھ رہی ہے۔ جو روکے رُک نہیں سکتی۔ بولے "ویاس جی تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ راجپوت چھتری بیر، سورما تلوار تیر سے دشمنوں کو مارتے اور اپنا خون بہا کر دنیا کو فسق و فجور سے پاک و صاف کرتے ہیں۔ تم نے قلم کے زور سے مرے ہوئے بہادروں کو جلایا

گویا ہندوستان کو زندہ جاوید کردیا۔ اور زبان کے جادو سے سسکتے ہوئے دھرم میں جان ڈال دی۔ مگر یہ سب کچھ سری کرشن بھگوان کی حمد و ثنا کے آگے ہیچ ہے جنگ مہابھارت اِن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا جبکہ تم نے اتنی تفصیل لکھی اِن کے اپنے احوال زندگی بیسیوں مہابھارت سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں ان کی زندگی طرفہ ترین دلاویزیوں سے بھرپور ہے جنکو کرشمہ ہائے ربانی کہو، یا نغمہ ہائے رحمانی۔ اب سری کرشن بھگوان کی سوانحمری سے اپنی نظم کو منور اور اُن کی کشف کرامات سے اپنے کلام کو مکمل کرو۔ تمہاری حسرت دور اور کلفت کافور ہو جائیگی

(۳) بیاس جی کی سمجھ میں آگیا جو پردہ ساتھا وہ ہٹ گیا۔ اور تب اِس تصنیف میں مستغرق ہو گئے جسکا نتیجہ سری مدبھاگوت تھا۔ کہتے ہیں کہ اِس کتاب کی تصنیف کے بعد بیاس جی کو راحت حقیقی اور تسکین قلبی حاصل ہو گئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔

(۴) اگر والمیک جی نے رامائن لکھ کر سری راجہ رامچندر جی کی سورتی گھر گھر میں بٹھا دی تو بیاس جی نے بھاگوت کے ذریعہ سری کرشن جی کی مہر ہر ایک صفحہ دل پر لگا دی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندؤں کے سینہ و دل کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں یا بنگئے ہیں کہ اگر دونوں کا نہیں تو دونوں میں سے ایک کی تصویر تو ضرور نقش ہوتی ہے۔ کون ہندو ہے جس کی آنکھوں کے سامنے سری رامچندر جی کا نام سُنتے ہی اوصاف حمیدہ کی تصویر نہیں پھر جاتی جو ان کے بے لوث زندگی سے وابستہ ہیں، یا جو سری کرشن کی بچپن کی محبت۔ جوانی کی شجاعت۔ اور بعد جوانی کی روحانیت کا شیدائی نہ ہو۔

(۵) پنجاب تو عرصہ تک مغربی حملہ آوروں کی جولانگاہ رہنے کے باعث ان اثرات سے کمتر متاثر رہا، اور سکھ مت یا خالصہ پنتھ کا حامی ہو گیا؛ مگر کہا جا سکتا ہے کہ شمالی ہند میں اودھ بہار زیادہ تر رام اُپاسک، اور بنگال و علاقہ

برج کرشن اُپاسک رہے ہیں۔ اس بیان کی تصدیق چاہتے ہوں تو ان جاتریوں کی تعداد اور جائے سکونت پوچھ لیجیے، جو آئے سال رام نومی اور دسہرہ کے دن اور دیوالی کی رات کو، اجودھیا، چترکوٹ یا رامیشورم میں جبہ سائی کرتے ہیں، یا جنم اسٹمی ہولی، یا برسات کی، تیجوں کے ایام میں متھرا بندرابن، گوکل اور دوارکا کا طواف کرتے ہیں۔ اگر اس سے بھی یقین نہ آئے تو دیکھیے، والمیکی اور تلسی رامائن اور بھاگوت، پریم ساگر اور سور ساگر کی کتنی جلدیں شایع اور فروخت ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی گانوں ہے جسمیں رامایں مہابھارت یا بھاگوت کی کتھا نہیں ہوتی؟ رام لیلا اور کرشن لیلا (راس)، کہاں کہاں رائج ہیں اور ان میں کتنے مرد و زن راسخ الاعتقادی سے شامل ہوتے ہیں۔ رام چندر جی اور کرشن جی کی مورتیاں کتنے مندروں میں براجمان ہیں۔ اور انہیں کتنے مرد و زن صبح شام نقد دل چڑھاتے ہیں: یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔ اگر ہندی لٹریچر کے مرکز ڈھونڈھیں گے تو ان ہی دو ناموں کو پائیں گے۔ سولھویں صدی میں رامانند سوامی اور گوسائیں تلسی داس جی نے رام اوتار کو اور بلبھاچاریہ اور سور داس جی نے کرشن اوتار کو لیکر ان پر وہ زور زبان و قلم دکھایا کہ سیکڑوں شاعروں کو اس میدان میں کھینچ لائے جنھوں نے ہندی زبان میں بھگتی کی روح پھونک دی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رام کہانی کرشن لیلا جزو محاورہ روزمرہ ہو گئے ہیں۔ ہندو ناموں کو لے لیجیے۔ دیکھیے رامچندر۔ سیتا رام۔ کرشن لال۔ رادھا کشن۔ گوپال چند۔ رامابائی۔ کرشنا دیتی۔ کیسے عام پسند نام ہیں۔ کتنے نام رام یا کرشن سے شروع اور ان پر ختم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ جب شاعر نے کہا ؎

درکشور ہند چوں بدیدم چپ و راست
از رام و کرشن ہر طرف صوت صداست

تو اس نے واقعہ کی بنا پر کہا تھا۔

(۶) آجکل تو زمانہ کی ہوا بدلی ہوئی ہے۔ بزرگان سلف کی تعریف کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ سست اعتقادی۔ لامذہبی اور دہریہ پن کا دور دورہ ہے تاہم یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ باوجود ناموافق حالات کے کم از کم ہندو قوم کے دل و دماغ سے سری رامچندر جی اور سری کرشن جی کا نقش ہنوز محو نہیں ہوا۔ تھوار رام نومی اور جنم اسٹمی ابھی تک ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک منایا جاتا ہے۔ غرضیکہ سری رامچندر جی اور سری کرشن جی دونوں کو ہندو تصور نے وشنو کا اوتار بنا دیا ہے اور یہ عظمت و شان سوائے بدھ بھگوان کے اور کسی انسان کو جس نے ہندوستان میں جنم لیا نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ جس ملک میں بکرماجیت اور اشوک جیسے چکرورتی راجے مہاراجے، درو وششٹھ۔ ویاس۔ وشوامتر سے رشی منی۔ اور شنکر آچارج۔ بلبھ آچارج جیسے سوامی، راج پاٹھ کر چکے ہوں۔ جنکے آگے ہزاروں لاکھوں آدمی سر نیاز خم کرتے تھے، اور جو آج تک خراج عقیدت وصول کرتے ہیں، ان کو چھوڑ کر ان چھتری راجپوتوں کو یہ مرتبہ بلند اور درجہ ممتاز کیونکر حاصل ہوگیا؟ ان کی ذات خاص میں کوئی خوبیاں تھیں۔ یا ہندو قوم میں کوئی خصوصیت نہ تھی جس نے ان خوش قسمت افراد کو یہ امتیاز بخش دیا؟ یا کوئی اور وجہ ہے؟ سری کرشن جی کی مثال لے کر ہم ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کرینگے۔

(۸) ہندو قوم کا بچہ بچہ سری کرشن جی کے حالات زندگی سے کم و بیش آشنا ہے۔ بھادوں کی جنم اسٹمی کی آدھی رات کو قید خانہ میں جنم لیا بخوف کنس واسدیو جی نے ان کو چھاج میں رکھ کر جمنا پار لیجا کر جسودھا جی کے حوالہ کیا۔

یہاں گوکل میں نند جی کے ہاں پرورش پائی بچپن میں ۱۲ سال کی عمر تک گوال بال اور گوپیوں کے ساتھ خوب ناٹ لیلاں مناتے رہے۔ پھر پاپی کنس کیطرف متوجہ ہوئے اسکو شومی اعمال کی پاداش دی۔ بعد ازاں رکمنی دست بھایان وغیرہ سے شادی کی۔ جراسندھ کو شکست دی دریودہن اور کرن کو ہرچند سمجھایا کہ یدہشٹر کو قدرے قلیل راج کا حصہ دیدیں۔ مگر جب دریودہن نے ہٹ دہرمی پر کمر باندھ لی۔ تو پانڈوں کی مدد پر قایم ہوگئے۔ اور جبکو نشکام کرم کا اُپدیش دیکر آمادہ کارزار کیا۔ اور دریودہن کو کورو کشیتر کے میدان جنگ عظیم میں شکست فاش دی۔ یدہشٹر کو راج گدی پر بٹھایا اشو میدھ یگ کرایا۔ اسیطرح اور کئی فتوحات حاصل کرکے اور اپنا سکہ ہر طرف جماکر تارک الدنیا ہوگئے۔

(۹) مذکورہ بالا واقعات اگرچہ اپنی اہمیت وعظمت کے لحاظ سے قابل وقعت و لایق یادگار ہیں۔ مگر ماننا پڑتا ہے کہ ایسی نہیں ہیں جنکی بنا پر ایک بنی نوع انسان کو ایک ملک قوم اپنا مرکز عقیدت بناکر وہ رتبہ بلند دے دے کہ اسکی مورتی ہندوستان بھر کے مندروں میں برہما و بشن دیوتاؤں کے برابر جگہ پاوے، بلکہ خود وشنو کی مورتی مانی جاوے تو کیا یہ راز سربستہ ہے جو کھل نہیں سکتا؟ اور اس کے لئے کہ

"کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا"

کہکر خاموشی اختیار کرلینی چاہیئے۔ یا بمصداق وتعزمن تشاء وتذل من تشاء۔ ہم کو اسپر اکتفا کرنا چاہیئے کہ قضائے الہی کا یہی فیصلہ تھا" پرمیشور کی اچھا یہی تھی... سلسلہ علت ومعلول کی آخری زنجیر اس مرحلہ پر ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے اس عالم اسباب میں اگر ہم عقل کی مشعل سے کام لیں اور غور وخوض کے عصا کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں تو معلوم ہوگا کہ ایک نتیجہ کے بالعموم کئی اسباب ہوتے ہیں، اور ان اسباب کے سلسلہ کو ہم کافی دور تک دریافت کرسکتے اور ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۱۰) زبان خلق کو نقارۂ خدا کہتے ہیں۔ اگر کسی ایک شخص کو نہ صرف اس کے ہمعصر بلکہ بعد کی نسلیں بھی عزت واحترام سے یاد کریں تو ضرور ہے کہ اس شخص کو ذات ہیرا وصاف واجب التعظیم کا مابہ الامتیاز ایسا مجموعہ ہو۔ جو اس قوم وملک کے معراج سے مطابقت یا مناسبت رکھتا ہو۔ یہ معیار عام ہے جو دنیا کے ہر حصہ میں کام دیکتا ہے۔ اسکی ذریعہ آپ بدھ بھگوان زرتشت۔ کنفوشس حضرت عیسیٰ مسیح حضرت محمدؐ صاحب ہر ایک کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسی بنا پر ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ سری کرشن جی کو اوتار تصور کرنے کی کئی وجوہات تہیں جنکو ہمارے نزدیک دو بڑی حصص منقسم کر سکتے ہیں:

اوّل۔ سری کرشن جی کی ذات بابرکات میں امتیازی صفات انسانی کا اجتماع یعنی جسمانی۔ دماغی واخلاقی اور روحانی فضیلت وکمال:

دویم۔ ہندو قوم کے دل ودماغ کی خصوصیت جس نے ان اوصاف انسانی کو نصب العین بنانا منظور کیا:

(۱۱) یوں تو ہر فرد بشر اپنے باپ کا بیٹا، اور اپنے زمانے کا پتلا ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء و قوائے بالعموم آباواجداد سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ اور بمصداق "الدہر افصح المودبین" زمانہ یا تجربہ اس کو سکھاتا رہتا ہے مگر اس میں نکتہ یہ ہے۔ کہ انسان محض گوشت پوست۔ ہڈی پسلی کا ہی کھلونا نہیں ہے۔ جو اپنے والدین کے سانچے میں ڈھل کر بنا ہو۔ یہ بہت درجہ تک ان تمام محسوسات۔ خیالات۔ خواہشات۔ جذبات اور تصورات کا پتلا ہوتا ہے، جو اس کے آباواجداد کے دل ودماغ میں موجزن رہے تھے۔ اور بعد ازاں اسیران تمام واقعات وتخیلات کی چھاپ لگتی رہتی ہے جو اسپر اور اس کے ابنائے جنس پر اثر پذیر ہوتے ہیں:

(۱۲) وا سدیو کو روشن دماغ اپنے والد وسدیو جی سے ملا تہا اور دیوکی نندن میں چاہئیے تہا کہ نہ صرف حسن جمال بلکہ قوائے روحانی کا کمال موجود ہو۔ اور ایسا پوت اس قابل ہونا چاہئیے تھا کہ اپنے والدین کو عمر قید سے رہائی دلاتا۔ اور ظالم وزبردست کنس کا نام

حرف غلط کیطرح مٹا دیتا۔ اس مہم کے لئے غیر معمولی قوائے جسمانی و اخلاقی درکار تھے جنکو والدین کی شبانہ روز دعاؤں نے عالم وجود میں پیدا کیا۔

(۱۳) جسودھا جی نے وہ جوش قربانی ثابت کر دکھایا تھا، کہ جسکی دنیا کی تاریخ میں صرف ایک اور روشن مثال ملتی ہے اور وہ بھی راجستھان میں۔ کہ ماں اپنی کوکھ جائے بچے کو موت کے منہ میں ڈال دے، اس غرض سے کہ دوسری عورت کے بچہ کی جان بچ جائے۔ اسی جسودھا سیا کا دودھ پی کر جو لال پلے وہ چاہئے کہ ایثار نفسی کی اعلیٰ ترین مثال ہو۔

(۱۴) ہندوستان کو شاعروں نے جنت نشان بنایا ہے۔ بہر حال اس میں دوآب گنگ وجمن سب سے زیادہ زرخیز ہے، اور اسمیں بھی علاقہ برج کو خاص فضیلت حاصل رہی ہے۔ اسکی زبان برج بھاشا ٹکسالی زبان کہلائی۔ اسی کے قریب اندرپرست کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو ہندوستان کا مرکز قرار پایا۔ اس علاقہ میں جنگل بن بکثرت تھے۔ جنمیں سے بندرابن۔ سوربن۔ مادھوبن مشہور ہیں۔ ان بنوں میں ہیشار گائیں چرا پھرا کرتی تھیں۔ نندجی کی طرح ایک ایک اہیر۔ جہر۔ بڑ گوجر کے پاس سیکڑوں گئوئیں ہوتی تھیں یہی ان کی دولت تھی۔ دودھ۔ دہی۔ مکھن۔ گھی کی بہتات کا یہ حال تہا کہ پانی کی بجائے لوگ دودھ یا چھا چھ پیتے تھے۔ اجنبی مسافر کی خاطر بھی دودھ چاول سے ہی ہوتی تھی۔ ہولی کھیلنے کو دودھ اور دہی میں ہلدی یا ٹیسو کا رنگ ملا کر اچھالتے تھے۔ اور ایک دوسرے پر ڈالتے تھے۔ چنانچہ دودھ کانڈوں کی رسم اسیوقت کی یادگار ہے۔ نندجی کے گھر میں جو بالک پلے اسکو دودھ دہی اور مکھن کی کیا کمی تھی۔ اگر خوراک اور جائے بود وباش کا اثر جسم کے نشوونما پر ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نندلال کے قوائے جسمانی مضبوط نہ ہوتے۔

(۱۵) غرضیکہ سری کرشن جی بچپن ہی سے، بمصداق "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"

غیر معمولی طور پر تندرست۔ مضبوط سجیلے۔ چنچل ہنس مُکھ، نہ صرف جسودھا میا کے لال، بلکہ گوکل کی گوپیوں کے گوپی چندا ور ان کی آنکھوں کے تارے بنے ہوئے تھے۔ سورداس جی نے اپنی شاعرانہ بلاغت کا کمال سری کرشن جی کے بچپن کے دل خوش کن حرکات کے بیان میں دکھایا ہے۔ کہیں چاند کو پکڑ منہ میں ڈالنے کو مچل رہے ہیں اور جب کٹورہ بھر پانی میں عکس دیکھ کر ہاتھ مارتے ہیں، تو متحرک ماہ پاروں کو دیکھ کر جھجک جاتے ہیں۔ کبھی چھپ چھپا کر مٹی کھا آتے ہیں۔ اور جسودھا میا کی دھمکی پر اپنا ننھا سا مُنہ کھول دیتے ہیں۔ ذرا بڑے ہوکر مکھن کی دھن لگتی ہے۔ جو مکھن جسودھا میا کہہ کرے اس میں وہ لُطف کہاں جو چھین جھپٹ کر لیا جائے وہ بچپن ہی نہیں جس میں چلبلا پن نہیں۔ جب تک نٹ کھٹ موہن کھٹ پٹ نہ کریں۔ گوکل کی گوپیوں جسودھا کی سہیلیوں سے لوٹ مار کر مکھن نہ اُڑا لاویں۔ تب تک ماکھن چور کو چین کہاں جب کہیں پکڑے جاتے۔ تو کسی نہ کسی بہانے سے کسی کو ہنسا۔ کسی کو ڈرا۔ کسی کو بیوقوف بنا۔ صاف نکل جاتے تھے۔ غرضیکہ بقول نظیر "کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالپن" اگر بنی نوع انسان کے لئے نہیں تو بہرحال ہندوستان کے لئے تو یہ عالم طفولیت کی مکمل تصویر ہے ؎

(۱۶) یہی حال ان کے عنفوان شباب کا پایا جاتا ہے۔ سرو قد بلند پیشانی۔ فراخ سینہ آہو چشم۔ نشہ محبت میں سرشار رہتے۔ سانولے رنگ پر پیتامبر خوب کھلتا تھا۔ گھنگروالے بالوں پر مور مکٹ سجا چھیل چھبیلے۔ رنگ رنگیلے۔ کرشن کنہیا مرلی بجیا جب کبھی اپنی بانسری کی کوک یا رسیلی آواز کی پکار لگاتے تو جنگل بن گونج اُٹھتے۔ جمنا جی لہرانے لگتیں، گئوئیں گردن اُٹھا، کان دھر، ایک لمحہ آواز کا رُخ پہچان، اپنے گوپال کے پاس اُچھلتی کودتی دودھ دینے آموجود ہوتیں گوال بال جو جنگلوں میں گئویں چراتے پھرتے تھے اپنے برندا بن مراری سروت کاری گردھاری کے پیچھے پیچھے ہو لیتے اور گوکل

کی گوپیوں کے دل بیقرار ہو جاتے۔ اور رادہا جو سو جان سے اپنے من موہن پر قربان تھیں جہاں کی تہاں انہیں کے دھیان میں کھڑی کی کھڑی رہ جاتیں۔ مردانہ حُسن وشباب عشق ومحبت کی تصویر بھی ہندوستان کے شاعروں اور مصوروں کو کرشن کنہیا سے بہتر نہیں ملی ؛

(۱۷) اسیطرح دلیری۔ بہادری۔ جوانمردی۔ اولوالعزمی اور فنونِ سپہ گری میں بھی سری کرشن چندر یگانۂ روزگار تھے۔ جیسے بچپن میں ان کو رونا نہیں آتا تھا ویسے ہی بڑے ہو کر خوف سے وہ قطعی ناآشنا تھے۔ بہت سی روایتیں ان کے غیر معمولی نڈر منچلے ہونے کی مشہور رہیں۔ ابھی دودھ پیتے بالک تھے کہ سیہ کار پوتنا دائی کا ناک میں دم کر دیا۔ ڈھیٹھ کوے کو بے دھڑک پکڑ کر چیر ڈالا۔ کالے سانپ کو ناتھ لیا۔ اب کنس کی باری آئی۔ کنس کو مارنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تہا۔ وہ ایسا غاصب تھا کہ اپنے باپ کے راج پاٹ کو چھین آپ اجہ بن بیٹھا تہا۔ وہ ایسا سفاک تھا کہ اپنی سگی بہن اور بہنوئی کو عمر قید میں ڈال کر ان کے سات بچے یکے بعد دیگرے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالے تھے۔ رعایا کا اس کے ہاتھوں ناک میں دم تھا لیکن وہ ایسا جابر تہا کہ کسی کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ چوں تک کر سکے بڑے سے بڑے جنگجو بہادر بھی اسپر ہاتھ اُٹھانے کا نام لیتے کانپتے تھے یہ سری کرشن چندر ہی کا کام تہا کہ ہاتھیوں کو ہٹاتے دشمن کی صفوں کو چیرتے چشم زدن میں کنس کو جا پچھاڑا اور راسس کا سر قلم کر دیا ؛

(۱۸) ان کے عالم باعمل اور ماہر کامل ہونے کا ثبوت گیتا سے ملتا ہے۔ جسمیں رشی ویاس نے بتایا ہے کہ ارجن کے شکوک کو کس لیاقت اور خوش اسلوبی کس فصاحت۔ بلاغت اور ہمہ دانی سے رفع کیا ہے۔ اس کا تذکرہ بخوف طوالت چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو فلسفہ نشکام کرم اس گفتگو کے

دوران میں سری کرشن کو منسوب کیا جاتا ہے وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اسکو ہندوستان کے فلسفہ کا عطر کہیں تو بجا ہے۔ اسکی شان میں جو تعریف کیجائے وہ روا ہے۔ اگر تمام شاستروں کو بہیئت مجموعی گائے سے تشبیہ دی جائے تو یہ کہنا چاہیئے کہ گوپال نندن نے اس کو دوہ کر گیتا کا دودھ ارجن کو پلا دیا۔

(۱۹) بچپن جوانی اور بوڑھاپے کی مکمل تصویر کا ایک زندگی میں پایا جانا کچھ کم وزنی امر نہیں ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ سمجھنا بھی دشوار نہیں رہتا کہ کیوں ایسے شخص کو ملک قوم مرتبہ بلند نہ دے۔ مگر جب ہم ذرا نظر نکتہ رس سے کام لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن جاہ ورائے میں علاوہ اوصاف ظاہری کے اخلاق باطنی بھی بدرجہ اتم موجود تھے۔ ان کی طبیعت میں استغنا تھا۔ انکی محبت وفا کیشی تھی اور ان کی ہمت میں بے غرضی۔ ان کی جوانمردی میں خود ضبطی تھی اور اولوالعزمی میں احتراز از خونخواری مگر سب سے بڑھ کر جو بات تھی وہ یہ کہ ان کے تمام حرکات وسکنات۔ اقوال وافعال میں ایک زبردست روحانی طاقت پنہاں وعیاں تھی جسکو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ کوئی اسکو کشف وکرامات کہتا ہے۔ کوئی اعجاز یا خرق عادات۔ ہم اس کو چند مثالوں سے واضح کرینگے۔

(۲۰) سمنتک لعل کی کہانی طویل ہے۔ یہ لعل بے بہا ستر جیت کو کہیں سے مل گیا تھا اور بلحاظ وزن وآب وتاب اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کی تعریف میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا جاتا تھا۔ اعتقاد تھا کہ جو اس کو زیب گلو کرے وہ سانپ بچھو کے گزند اور ہر قسم کی بیماری اور آسیب سے محفوظ رہتا ہے اور اسکو زمین میں رکھکر آٹھ من سونا جب چاہے نکال سکتا ہے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ یہی مشہور معروف کوہ نور ہیرا ہے جو یدھشٹر کے زمانہ سے ہندوستان کے شہنشاہ کے تاج

کو زیب دیتا رہا ہے۔ سری کرشن جی نے شتروجیت سے کہا تھا۔ کہ یہ ہیرا اگرسین کے شایاں ہے۔ اسکو دیدو۔ اور شتروجیت نہیں مانا تھا۔ کچھ عرصہ بعد شتروجیت کا بھائی پرسین اس ہیرے کو گلے میں ڈالے ہوئے سری کرشن جی کے محل کیجانب سے شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ اور خود شیر کا شکار ہوگیا۔ دشمنوں اور حاسدوں نے اتہام سری کرشن پر لگایا۔ کہ چاہتے آپ تھے نام اگرسین کا لیتے تھے۔ اب موقعہ ہاتھ آیا پرسین کو مار خود ہیرا اڑا لیا ہے۔ اس تہمت ناروا کی تکذیب کے لئے اور اس لعل کو خونخوار درندوں کے منہ میں سے نکال لانے یا غاصبوں کے ہاتھ سے بچانے کیلئے سری کرشن جی نے جو جو مہمات سرانجام دیں جسطرح اپنی جوکھوں میں ڈالتے رہے۔ اسکی تفصیل مہابھارت کے موسل پرب کے تیسرے ادھیائے میں درج ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اس الماس عالمتاب کیطرف سے جسکے حصول کیلئے بڑے بڑے تاجدار ہر قسم کی جدوجہد اور مکروفن سے کام لیتے رہے ہیں۔ سری کرشن نے اس درجہ استغنا ظاہر کیا کہ لوگ عش عش کر گئے۔ اور باوجود اصرار متواتر کے اس کے لینے سے قطعی انکار کیا۔

(۲۱) جنگ مہابھارت سے پہلے دریودھن کو اخیر دم تک یہی گمان رہا کہ زرو جواہر ہاتھی گھوڑے۔ سازو سامان بیش بہا دے دلاکر سری کرشن جی کو پانڈوں کی طرفداری سے توڑ لے گا مگر اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہاں ٹیڑھی کھیر ہے۔ ان تمام سامان دنیوی جاہ و حشم کو لات مار کر اور دریودھن کی خاطر و مدارات پر تف کر کے سری کرشن جی نے غریب بدر جی کے گھر ساگ کھا کر گزارہ کیا۔

(۲۲) جب سری کرشن جی کنس کے مقام پر متھرا میں وارد ہوئے تو ہر طرف انکی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لوگوں کی نظریں بطور خیر مقدم فرش راہ تھیں۔ واسدیو کرشن جی آگے آگے، اور ان کے بھائی بلدیو جی اور ہمراہی جاں نثار پیچھے پیچھے، بڑی آن بان سے

جا رہے تھے۔ کہ آگے سے ایک کریہہ منظر کوزہ پشت عورت سر پر پوجا کی سامگری کا تھال لئے، راج محل کی طرف جاتی ملی۔ ان کو دیکھتے ہی وہ ٹھہر گئی۔ تھال زمین پر رکھ سری کرشن جی کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور ان پر اپنا سر رکھ دیا۔ پھر بھگتی بھاؤ سے ان کی پوجا کا آرتھ لیا، ۔ اور چندن کا تلک لگانے کو آگے بڑھی، اور کہنے لگی۔ "ہے شام سندر۔ دھن دیال۔ کرپال۔ دیا ندھا میں پاپن اب تک کنس کی داسی رہی میرے دھن بھاگ ہیں کہ آج آپکے درشن ہوئے۔ میرا جنم سپھل ہو گیا" اب بھی مدھو سودن کنس نکندن ہیں کہ بمصداق "بس ہیں ہیں بھگوان بھگت کے" سر بانہ ار کھڑے ہیں، اور چندن کا کھورا اپنے ماتھے پر اُن انگلیوں سے لگوا رہے ہیں جنکو اور کوئی شخص شاید پاؤں چھونے کی بھی اجازت نہ دے۔

اور جب نشہ خوشی میں چور، اور رو فور عقیدت سے سرور، کی جانے کی درخواست مزید کی تو بلا تکلف اسکی جھونپڑی میں بھی جا کر اسکی قدر و منزلت کو آسمان تک پہنچا دیا۔ اسکی جا پر جو نظر عنایت ہوئی وہ ضرب المثل ہو گئی۔

(۲۳) سداماں جی کی کتھا اس سے کم دلچسپ نہیں۔ سداماں اور کرشن چندر شاندوپین گورو کے چیلے تھے۔ سداماں غریب برہمن تھا۔ فاقوں سے گزرتی تھی۔ عیالدار بھی تھا۔ فاقے سے پڑا رہتا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتا تھا۔ ایک روز اسکی استری سوشیلا نے کہا کہ دو دن ہو گئے لڑکوں کے پیٹ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا، تم کو تو سنتوش ہے، مگر بچے بن کھائے نہیں رہ سکتے۔ کچھ ہمت کرو۔ ہاتھ پیر ہلاؤ۔ اور کچھ نہیں تو کرشن چندر جی کے پاس جاؤ۔ ان کا ٹھاٹھ تو راجوں مہاراجوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ وہی شاید کچھ تمہاری مدد کریں" سداماں جی بصد مشکل تیار ہوئے۔ ایک پوٹلی چڑوؤں (سوکھے چانولوں) کی بطور زاد راہ لے چل پڑے، دوارکا پہونچے تو ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ میلی کچیلی پھٹی پرانی ایک دھوتی زیب تن

سر پیر سے ننگے۔ قسمت کے مارے کی پوری تصویر تھے۔ اُدھر سری کرشن کے محلات کی یہ کیفیت تھی کہ آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ الماس و یاقوت سے مرصع دیواریں۔ نیلم و عقیق کے دروازے۔ لعل بے بہا کے گنبد چاندی کی کڑیاں سونے کے کلس سورج کی کرنوں میں جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سدامان نے ڈرتے ڈرتے اطلاع کرائی۔ کرشن چندر جی رکمنی جی کے ساتھ چوسر کھیل رہے تھے دوارپال سے سدامان کا نام سنتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دوڑ کر دروازے پر آئے۔ اور جھٹ سدامان کو چھاتی سے لگا لیا۔ اپنے ساتھ اندر لے آئے۔ اور سدامان کے انکار کرتے کرتے اپنے ہاتھوں سے ان کے پاؤں دھوئے اور ٹانگیں دابیں۔ سدامان عجیب شش و پنج میں تھے۔ حیران تھے کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا سری کرشن جی کو دھوکا ہوا ہے۔ اتنے میں ادھر اُدھر کی باتیں کر کے سری کرشن جی نے پوچھا کہ "کہیے بھابی جی تو اچھی ہیں ہمارے لئے کچھ سوغات ضرور بھیجی ہوگی" سدامان جی سوغات کا نام سنتے ہی سٹ پٹا گئے۔ بغل میں جو پوٹلی دبی ہوئی تھی، سنبھالنے لگے، سری کرشن جی نے جھٹ وہ پوٹلی بغل سے کھینچ نکالی اور ان سوکھے چڑوں کا پھنکا مار لیا اور تعریف کرنے لگے کہ "واہ واہ کیسے اچھے ہیں" خلوص محبت اس کا نام ہے۔ سری رامچندر جی نے بھی بھیلنی کے بیر جو اس نے "چاکھ چاکھ میٹھے جان کر رکھ چھوڑے تھے، اور صدق دل سے پیش کئے تھے، اسی بے تکلفی سے کھائے تھے اور یہی ایسے مردان راہ خدا کی صفائی قلب کا ایک ثبوت ہے ؎

بھیلنی کے بیر سدامان کی تنڈل رُچ رُچ بھوگ لگایو
دریودھن کی میوا تیاگی۔ ساگ بدر گھر کھایو

(۲۴) سری کرشن مراری، برندا بن بھاری، کو صرف محبت و اُلفت۔ وفا و ہمدردی کا ہی پتلا ماننا، ان کی شان عظمت سے غافل رہنا ہے جو ان کے دیگر

کارہائے نمایاں سے صاف عیاں ہے۔ وہی چت چور کنور کنہیا جو رادھاجی سی ہری ہری بالس کی پوری واپس لینے کے لئے سو منتیں کرتے تھے۔ جب اپنے جلال میں کنس جراسندہ۔ششپال۔ دریودہن کرن وغیرہ کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو کال روپ تھے۔ یعنی دشمنوں کو خوفناک موت کی مجسم تصویر نظر آئے جب پیغام صلح لیکر سری کرشن بحیثیت ایلچی دریودہن کے دربار میں آئے تو جنگ کے نتایج کا نظارہ انہوں نے اپنے بلیغ الفاظ میں دکھا کر سب کو دہشت زدہ کردیا، اس وقت کرن نے سرگوشی کرکے دریودہن کو برانگیختہ کرنا چاہا کہ سری کرشن کو گرفتار کرکے تب سری کرشن کڑک کر بولے "خبردار! جو کسی نے ہاتھ اُٹھایا" اور اُنگلی سے اشارہ کرکے کہا "دیکھ میں کون ہوں اور کہاں کہاں ہوں" اسپر سارے گودوں کے دلوں میں دہشت سما گئی۔ اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ ان کو ہر طرف سری کرشن کی بھیانک مورتیں نظر آنے لگیں ؛

(۲۵) جب تک کنس مرا نہیں تھا کون کہہ سکتا تھا کہ ایک نوعمر لڑکا، جو ابھی گئوئیں چراتا پھرتا تھا، آکر، آن کی آن میں اس کا فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح دریودہن کرن کے صلاح مشورہ سے جب ہر قسم کے مکروحیلے سے پانڈوؤں کی بیخ کنی میں ناکامیاب رہا جب جوئے میں ہار کر، بارہ برس بن باس میں، اور ایک برس بے نام ونشان رہ کر، پانڈو لاکھا سندر سے بھی بچ نکلے تو سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ یہ وقت امتحان کا تھا۔ ایک طرف دنیاوی جاہ وحشمت سازوسامان، زروجواہر، راج پاٹ، سب کچھ دوسری طرف برعکس اس کے نہ دولت نہ ثروت، نہ راج نہ پاٹ، مانا کہ یودھشٹر کے بھائی ارجن فن تیراندازی میں یکتا اور بھیم سین گدا یدھ میں بے ہمتا تھے، مگر ان کے مدمقابل میں کرن اور دریودہن بھی کچھ کم نہ تھے بلکہ کرن ارجن کو حقیر سمجھتا تھا اور دریودہن بھیم کو

ذلیل بناتا تھا۔ اگر سری کرشن پانڈووں کے حامی تھے تو انہی کے بھائی زبردست بلرام جی مع اپنے لاؤ لشکر کے دریودہن کے طرفدار تھے۔ علاوہ اس کے ان سب کے گورو گھنشال درونا چاریہ کرپا چاریہ بال برہمچاری بھیشم پتامہ۔ سب کوروؤں کے مددگار تھے۔ دریودہن اور کرن ہنستے تھے، اور کہتے تھے، کہ پانڈو اس بے سروسامانی کے ساتھ ہمارا کیا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور شاید اس وقت کی دنیا بھی یہی سمجھتی ہوگی مگر ایک سری کرشن جی ہی تھے کہ جنہوں نے ڈنکے کی چوٹ سے کہہ سنایا تھا کہ پاپی دریودہن کی ہار اور دہرم راج یودہشٹر کی جیت مجھ کو صاف نظر آرہی ہے۔ یہ کوئی طلسم تھا یا اعجاز جو صرف سری کرشن جی کے پاس تھا۔ یہ کوئی منتر تھا یا گٹکا۔ جام جہاں نما تھا یا جادو جس کی مدد سے ان کو غیب کا علم ہوگیا تھا اور آئندہ کی پیشین گوئی ایسے دعوے کے ساتھ کرتے تھے ۔

(۲۶) مہابھارت۔ بھاگوت اور گیتا کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ پرشوتم سری کرشن علم النفس کے عالم اور فن تسخیر کے عامل تھے۔ ان کو نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کے تخیلات وجذبات پر قدرت دستگاہ حاصل تھی، ان میں برقی قوت جلالی اور مقناطیسی جمالی کا قوام معتدل تھا۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ مجھ میں یہ غیر معمولی طاقت موجود ہے وہ جس کو چاہتے ڈراتے جس کو چاہتے ہمت دلاتے تھے۔ کسی کو رلاتے کسی کو ہنساتے تھے۔ کسی کو دریائے فکر میں غوطہ دیتے۔ کسی کو سرچشمۂ الفت سے فیضیاب کرتے تھے۔ وہ ایک زبردست اصول پرست تھے۔ ان کا اعتقاد کامل تھا۔ کہ دہرم کے مقابلے میں ادہرم۔ حق کے آگے ناحق۔ روشنی کے سامنے اندھیرا کبھی نہیں ٹھہر سکتا جہاں دہرم ہے۔ وہاں فتح ونصرت خیر مقدم کو کھڑی ہے۔ پاپی کے مارنے کو پاپ یہاں ہی ہے۔ پس اس اصول قدرت کی بنا پر ان کو عین الیقین تھا کہ کنس دریودہن کرن وغیرہ منہ کی کھائیں گے اور تحت الثریٰ کو جائیں گے۔ اور ویسا ہی ہوا بھی

اعتقاد اعظم تہا جسکے حوصلہ پر بن باس سری رامچندر جی نے لنکا پت راون کینبھ کرن اور اندرجیت میگھناتھ اور ان کی اسروں کی جم غفیر کا مقابلہ کیا تہا اور فتح کامل پائی تھی ❊

(۲۷) یہ عین الیقین جب ایسے فرد بشر میں صورت پذیر ہوتا ہی جو قوائے جسمانی و اخلاقی سے مزین اور انوار روحانی سے مکمل ہو تب اس کو طبقہ انسانی سے بدرجہا بالاتر و برتر بنا دیتا ہے اور اسکی قدر و منزلت ملائک سی بہتر کیونکہ اس کے ہر قول و فعل سی دین و ایمان ماسبق پر روشنی پڑتی ہے اور جدید اصولوں کی بُنیاد پڑتی ہی۔ اسی نقطہ نگاہ سے پرشوتم سری کرشن بھگوان کو مافوق الانسان کہئے تو بجا ہے اسی معنی میں ان کا سولہ کلا سمپورن ہونا سمجھ میں آ سکتا ہی۔ اور یہی دعویٰ ہے جو سری کرشن جی کے الفاظ ذیل میں پایا جاتا ہے ❊

چو بنیاد دین سست گردد بسے
نمائیم خود را البشکل کسے

(۲۸) اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندوستان میں سری کرشن جی کی عقیدت کا دوسرا بڑا سبب یہ تہا کہ ان کے اقوال و افعال ہندوؤں کے مسلمہ اصولوں کے موافق یا متناسب تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قیاس یہی چاہتا ہی کہ یا تو زمانہ و وقت ان کو لوگوں کی یاد سے بھلا دیتا اور اب تک کبھی کا ان کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔ یا اگر ان کے اصول زندگی ہندو دھرم کے منافی متضاد ہوتے تو انکو وہ قبولیت عام میسر نہ ہوتی جو انکی ہمعصر اور بعد کی نسلوں سے ان کو دی۔ اگر تواریخ اور روایات پر حصر کیا جائے تو امر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ سری کرشن گوپال ان فرخندہ فال ہادیان راہ حق میں سے تھے جنکو انکی زندگی میں ہی لوگوں نے رہنما قبول کیا

(۲۹) سری کرشن جی کے زمانہ میں عقاید مذہبی کیا تھے۔ کن اصولوں کا عام چرچا تہا۔ کونسا فلسفہ دینی رائج تہا۔ چھ درشنوں میں سے کونسا مقبول عام تہا۔ لوگوں میں کونسا دیا ہی دیوتا زیادہ

ٹربانا جاتا تھا۔ ان سوالوں کے جواب بالتحقیق ہمکو معلوم نہیں ہو سکے۔ مہابھارت اور بھاگوت میں تواریخی واقعات کیساتھ قصہ کہانیاں ایسے مخلوط ہیں کہ پتہ نہیں لگتا کہ مصنف اپنے زمانہ کے حالات بتا رہا ہے یا اپنے ممدوح کے وقت کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو ہندو دماغ نے اس قدر کم وقعت دی ہے کہ بسا اوقات ہزاروں سالہائے ماضی و مستقبل کے واقعات زمانہ حال میں بیان ہوتے ہیں۔ تاہم تواریخ لٹریچر فلسفہ ہند کے عالموں سے مخفی نہیں ہے کہ زمانہ مہابھارت سے پہلے ویدوں اوپنشدوں اور سمرتیوں کے کئی شارحین ہو گزرے تھے جنہوں نے متعدد مسائل ادق کو اپنی روشنضمیری سے مختلف طریقوں پر حل کیا تھا جیو آتما (روح حیوانی) اور پرم آتما (روح عالم) کی ماہیت کیا ہے اور انکا آپسمیں کیا رشتہ و تعلق ہے۔ پرکرتی اور مایا کیا ہیں۔ ازلی ہیں یا ابدی۔ حادث ہیں یا قدیم ہیں؟ کرم (افعال) کون کرتا ہے، اور ان کا پھل (نتیجہ) کون بھوگتا ہے، اور کسطرح؟ آواگون (تناسخ) کے کیا معنی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں پر حضرت انسان ابتدائے تمدن سے سوچ بچار کرتے آئے ہیں اور غالباً ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ مگر جسقدر محویت ان مسائل ازلی اور رموز ابدی پر ہند رشیوں منیوں نے صرف کی ہے وہ شاید ہی کسی اور طبقہ ارض پر کیگئی ہو۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندو قوم کے دماغ میں جیو آتما۔ پرم آتما۔ کرم اور آواگون کے اصول گڑ گئے ہیں، اور بطور اصول ہائے موضوعہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(۳۰) سری کرشن جی نے اسی بنا پر اپنی تعلیم و تلقین کی تعمیر کھڑی کی تھی۔ گیتا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابتدا میں انہوں نے جیو آتما کی ہستی بالذات تسلیم کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ نشکام کرم (یعنی افعال نیک بلا خواہش اجر) سے جیو آتما آواگون کے پھندوں سے چھوٹکر موکش یعنی نجات حاصل کرتا ہے لیکن جب گیارھویں ادھیائے میں ارجن کو وشو روپ دکھلا کر ارجن کو اُپدیش دیا ہے، وہاں انہوں نے ویدانت کے اصول پر ایک عجیب و غریب نگ چڑھا دیا ہے۔ گویا کتابی قالب میں روح پھونک دی ہے، اس مرحلہ پر آکر اکثر فلسفی اعتراضات کے

گرداب میں پھنس جاتے ہیں یا حیرت کے دریا میں غوطہ کھاتے ہیں۔ اور نہیں سوچتے
کہ سری مہاراج کرشن کرم یوگی تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو نیکی اور بدی کی باریکیوں کے
وسوسوں اور ڈھکوسلوں سے ہٹا کر بے خوف و خطر میدان عمل میں آن کودنے کی تلقین دیتے
تھے۔ وہ دھرم کی کشتی کو لایعنی فلسفہ کی دلدلوں اور شکوک کے بھنوروں سے دھکیل کر
عین الیقین کی منجدھار میں لاتے تھے۔ وہ منطق کے روکھے سوکھے تپتے بیابان کے مسافر
گم گشتوں کو عشق حقیقی کے گلزار میں کھینچ رہے تھے۔ گویا کہتے تھے :

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ　تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

سری کرشن ایک لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ وہ دھرم میں زندگی اور زندگی کو دھرم جانتے تھے جس طرح
زندگی میں نیرنگی ہے ویسے ہی دھرم میں بھی کم و بیش اختلاف لازمی ہے۔ ہر مرحلہ ہر زمانہ کا
دھرم جداگانہ ہے۔ بچہ۔ بوڑھا۔ عورت۔ مرد۔ بادشاہ۔ فقیر سب ایک لاٹھی نہیں ہانکے
جا سکتے۔ ایک برہمن جو جنگل میں ریاضت کر رہا ہے جسکو نہ شوق زندگی ہے نہ خوف مرگ جسکو
جنگل کے درخت اپنے پھل پھول اور دریا کے ندی نالے یا چشمے اپنا شیریں پانی مہیا
کر کے راضی برضا رکھ سکتے ہیں۔ اسکا دھرم ہرگز وہی نہیں ہو سکتا جو چکرورتی راجوں
مہاراجوں کا ہوگا۔ بقول سعدی دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند

نیم نانے گر خورد مرد خدا　　بذل درویشاں کند نیم دگر
ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ　　ہمچناں در بند اقلیم دگر

ویاس جی نے سری کرشن جی کی یہ تعلیم ہندو قوم کے آگے رکھدی جس سے
راہ طریقت کے ہر مرحلہ و منزل کا مسافر سبق حاصل کر سکتا ہے :

(۱۳) اس تعلیم میں ایک جدت تھی جس نے ہندو دماغ کو روشن کیا اور دل کو تقویت
دی جس نے قانون قدرت کو ایک نئے رنگ میں دکھایا جس نے عالم الاسباب کا ایک
نیا پہلو پیش کیا۔ ہندو قوم ایسے رہنما کو کیونکر بھول سکتی تھی ؟

(۳۲) ہندوؤں نے بھی ایسے برگزیدہ روزگار کا حق ادا کیا۔ اور اسکی یادگار برقرار رکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ سری کرشن جی کی مورتیاں ہندوستان کے ہر گوشہ میں نہ صرف ہر مندر بلکہ گھر گھر میں رکھی گئیں متھرا، برندابن، گوکل، بلکہ تمام علاقہ برج کو تیرتھ قرار دیا گیا۔ مصوروں، سنگتراشوں، کمہاروں، ٹھٹھیروں، بڑھیوں اور نقاشوں کی محنت و کاریگری کا ایک معتد بہ حصہ سری کرشن جی کی اشکال مختلفہ کے بنانے میں صرف ہوتا ہے۔ یہ مضمون انکے فنون لطیفہ کا جزو لاینفک بنگیا ہے۔ سال میں کئی تہواروں پر سری کرشن جی کی کسی نہ کسی طرح سے پوجا ہوتی ہے۔ اور انکی تعریف میں گیت بھجن گائے جاتے ہیں۔ بہت لوگ جے کرشن، رادھا کرشن، جے گوبند وغیرہ ہمچو قسم الفاظ سے ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور ہندو ڈراما کے لئے سری کرشن جی سے بہتر اور کونسا وجود مل سکتا تھا۔

سری رامچندر جی کے حالات زندگی پر بھی کئی ناٹک لکھے جاتے رہے ہیں[1] مگر سری کرشن پر تو سنسکرت اور ہندی ڈراما مفتون ہی ہو گیا۔ اور بیسیوں ناٹک ایسے ملتے ہیں جن میں کرشن چندر کی کسی نہ کسی ہیئت کا نقشہ اتارا ہے۔

(۳۳) سنسکرت کے علاوہ ہندوستان کی مروجہ زبانوں مثلاً ہندی، بنگالی، گجراتی وغیرہ میں جو لٹریچر نظم و نثر میں اس مضمون پر لکھا جا چکا ہے وہ جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے[2]۔ صرف ہندی زبان ہی میں سیکڑوں شاعروں نے اپنی شیریں بیانی

[1] مثلاً اوترام چرتر۔ مہاویر چرتر۔ ہنومان ناٹک انرگھ راگھو وغیرہ [2] مثلاً کرشن کوی کا کنس بدھ۔ شنکر کرشن کا پردیومن وجے۔ چندر شیکھر کا مدھورا نیرودھ وغیرہ ہندی میں وِدیا پتی ٹھاکر کا رکمنی سوئمبر۔ پرماننددتا تھ جھا کا پربھاوتی ہرن۔ ہرش ناتھ جھا کا اوشا ہرن۔ ہرش چندر کا وسنت وجے وامودر شاستری کا رادھا مادھو۔ بنیاسی کا مہابھارت [3] ٹھاکر وِدیا پتی۔ جے دیو۔ ادیاپتی۔ میرا بائی۔ اگرداس۔ نارائن بھٹ۔ نابھا داس۔ سری دوارکا داس۔ دھرو داس۔ تان سین۔ سید ابراہیم رس کھان۔ ست ہری۔ جس وامی وغیرہ وغیرہ تفصیل کیلئے دیکھو گریرسن صاحب کی
The modern Vernacular Literature of Hindustan 1889
Edition Chip. V Pages 13 to 50

اور سحر البیانی کے معرکے اس میدان میں مار رہے ہیں۔ گوکل کے بلبھ آچارج اور ان کے بیٹے بیٹھل ناتھ گوسائیں کے آٹھ چیلوں نے جو اشٹ چھاپ کے عرف سے مشہور ہیں یعنی کرشن۔ سورداس۔ پرمانند داس۔ کنبھن داس۔ چتر بھج داس۔ چھیت سوامی نند داس معہ گوبند داس نے اپنی قادر الکلامی کے وہ کرشمہ دکھلائے ہیں کہ دنیا کے لٹریچر میں اگر آپ چراغ لیکر بھی ڈھونڈھیں گے تو مشکل سے پائینگے۔ لفظوں میں جیتی جاگتی۔ بولتی چالتی تصویریں بنا دی ہیں جو دل و دماغ میں کھپی جاتی ہیں ؛

(۳۴) ان سب کا مجموعی نتیجہ کہ سری کرشن کے تصور نے بجائے ایک انسان کی حیثیت رکھنے کے یزداں کا رنگ روپ اختیار کرلیا۔ اور کثیر التعداد ہندو مرد و زن جو معبود حقیقی کو قالب انسانی میں ہی پرستش کرسکتے یا کرنا چاہتے تھے کرشنا اوتار کے سیوک ہوگئے بلبھ آچارج اور میراں بائی نے علاقہ بیرج میں اور ادہا موہن ان چھوڑ کر اور چیتن گورنگ نے بنگال لدا گوپال اندلال کو اشٹ دیو بنا کر عشق حقیقی کا مزا لیا ؛

(۳۵) روایت ہے کہ سورداس جی جب اپنی آنکھوں کا نور سری کرشن جی کی نذر کر چکے اور ان کی مدح ثنا کی نظم مجبوراً دوسرے کے ہاتھ سے لکھوانے لگے تو ایک مرتبہ ایک انجان لڑکا ان کے پاس آ گیا اور ان کے دوہے لکھنے بیٹھ گیا پیشتر اس کے کہ لفظ شاعر کی زبان سے نکلے وہ قلمبند کرسکتا تھا۔ گویا زبان سے نہیں مصنف کے دماغ سے الفاظ اڑا لیتا تھا۔ جونہی سورداس جی کو اسکا پتہ لگا۔ تاڑ گئے کہ یہ معمولی لڑکا نہیں ان کے چیت چور سری کرشن بھگوان آپ براجمان ہیں جھٹ ہاتھ پکڑ لیا اور چلانے لگے کہ پکڑ لیا پکڑ لیا" مگر لڑکا ہاتھ چھٹا غائب ہوگیا۔ اسوقت سورداس نے اپنے وفور شوق و حرماں کا اظہار ان دلگداز الفاظ میں ظاہر کیا ؎

کر چھٹکائے جات ہو دُربل جانی موہے ہردے سے جو جاؤگے مرد بکھانوں توہے

ہندو قوم کے دل و دماغ سے ایسا ہمہ گیر تصور آسانی سے محو نہیں ہو سکتا (منقول از رسالہ کہکشاں لاہور)

لالہ کنور سین کے مضمون پر اک نظر

مغربی ذہن پر مشرقی دماغ کی فتح یابیاں صدیوں سے مُسلّم ہیں، آج یورپ و امریکہ باوجود مادی و ذہنی گوناگون ترقیوں کے مسیحیت کا مقلد ہے دلسے نہ سہی زبان سے دعویٰ تو کرتا ہی اور سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح مشرقی آدمی تھے ؛

عمر خیام۔ سوامی رام تیرتھ۔ سوامی ویکانند۔ مہاتما ٹیگور کا دماغ یورپ و امریکہ کے ذہنوں پر حکومت کر رہا ہے سری کرشن جی کی گیتا نے بھی یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے فاتحان نامور کو اپنا مفتوح بنالیا ہے۔ اور یورپ کی ہر زبان میں گیتا کے ترجمے ہوگئے ہیں ؛

لالہ کنور سین کے نام کا آخری حصہ "ایم اے اور پرنسپل" "کالج" پڑھنے کے بعد جب ان کے مضمون کو دیکھا جائیگا جو ابھی یہاں قلمبند کیا گیا تو مشرقی دماغ کی ایک جدید فتح مغربی ذہن پر ثابت ہوگی۔ لالہ کنور سین مغربی آدمی نہیں ہیں، مگر اُس تعلیم اور اُس بود و باش میں زندگی بسر کرچکے ہیں جو مغربی کہلاتی ہے۔ پھر ان کے قلم سے ایسا ٹھیٹ مشرقی اور مشرقیت میں ڈوبا ہوا مضمون نکلنا کھُلی ہوئی نشانی مشرقی دماغ کے مغرب پر فتحیاب ہونیکی ہے ؛

مثل مشہور تھی کہ "جس ہندوستانی کا جسم کُرید کر دیکھو اندر سے یورپین برآمد ہوگا"

اب وقت بدل گیا۔ کھال کے اندر بھی ہندوستانیت تیار ہو رہی ہے ؛

لالہ کنور سین کا یہ مضمون بہت دلچسپ ہے طرز تحریر کے لحاظ سے۔ بہت بلیغ ہے گہرے معانی اور مطالب کے اعتبار سے۔ بہت مکمل ہے سری کرشن کی پوری تصویر دکھانے کی حیثیت سے۔

اوتار کا مسئلہ

لالہ لاجپت رائے صاحب سے مجھ کو شکوہ تھا کہ انہوں نے سری کرشن کی مذہبی شخصیت اوتار ہونے کی حیثیت کا انکار کیوں کیا ہے مگر لالہ کنور سین صاحب نے اسی مسئلہ کو اپنے مضمون کی بنیاد قرار دیا ہے

ہر پڑھنے والا تسلیم کریگا کہ اس مضمون نے اوتار کی شرح بیان کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور ہندوستان میں جن جن اعتبارات سے سری کرشن مقبول خلائق اور محبوب عوام وخواص بنے ہوئے ہیں ان سب کو نمایاں کرکے دکھادیا گیا۔

یہ ایک مختصر مضمون ہے تفصیلی تشریحات کی گنجائش اسمیں نہ ہوسکتی تھی تاہم مضمون نگار کی تعریف کرنی چاہئیے کہ انہوں نے عام فہم طریقہ سے ہر چیز کو بیان کردیا۔ اسی خاکہ پر اگر کوئی بڑی تصنیف تیار کیجائے تو مصنف کو کچھ دشواری نہ ہوگی۔ اور سری کرشن کی نسبت وہ ایک اہم اور مفید کتاب بنجائے گی۔

لالہ کنورسین نے اس مضمون میں بعض ایسے واقعات سری کرشن کی زندگی کے لکھے ہیں جو میں نے کرشن بیتی میں درج نہیں کئے۔ اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے یہ کتاب مسلمانوں کے لئے لکھی ہے اور انہی کے مذاق اور تفہیم کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر سری کرشن کے واقعات زندگی مرتب کئے ہیں۔ اور خوش اعتقادی کے وہ حصے چھوڑ دئے جنکو مسلمانوں کے فہم و مفاد سے تعلق نہ تھا۔

دوسری وجہ یہ کہ جزئیات میں ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں جنکو غیر مذہب کا مصنف محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یا ان کو کچھ ضروری نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اُس مذہب کے عقیدت مندوں کی نظر میں ضروری ہوتی ہیں۔ لالہ کنورسین ہندو ہیں انہوں نے ان تمام جزئیات کے اشارے کئے جو سری کرشن کی نسبت ہندوؤں میں مشہور ہیں۔ مگر میں نے ان کو نہیں لکھا۔

چھوٹا سا کرشن جیون

یہ مضمون ادبی اور محققانہ شان میں چھوٹا سا کرشن جیون ہے۔ اور اُمید ہے کہ کتاب کے ناظرین کو اس کے پڑھنے سے بہت لطف آئے گا۔

میں ممنون ہوں لالہ کنورسین صاحب اور میر امتیاز علی صاحب تاج ایڈیٹر رسالہ کہکشاں لاہور کا جنہوں نے یہ اچھی اور مفید تحریر کرشن بیتی میں درج کرنے کی اجازت دی۔

کرشن بیتی کا نام بدل دیا

گجراتی زبان میں اس کتاب کا جو ترجمہ شایع ہوا اسکا نام کرشن کتہا رکھا گیا ہی۔ میرے ہندو احباب کی خواہش کا شروع میں ذکر کیا تہا کہ وہ بیتی کے لفظ کو بدلوانا چاہتے ہیں۔ کتاب کی تیاری کے بعد انہوں نے پھر اصرار کیا کہ نام ضرور بدلنا چاہئے۔ کرشن کتہا نام ہوچکا تہا ورنہ میں اسکو پسند کرتا تہا۔ آخر کرشن جیون مقرر کیا گیا۔ اور سرورق پر یہ نام لکھنے کی میں نے اجازت دیدی ٭

انگریزی ترجمہ تیار ہوگیا

دیباچہ میں بیان ہوا ہے کہ کرشن بیتی کا انگریزی ترجمہ بھی ہو رہا ہے اب جبکہ یہ ایڈیشن چھپکر تیار ہوا تو اطلاع ملی کہ انگریزی ترجمہ بالکل تیار ہو گیا ہے۔ اور عنقریب پریس میں چلا جائے گا ٭

مولانا عبدالحفیظ صاحب ایم اے ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل نمبرہ ۲ راجپور روڈ دہلی سے دستیاب ہوسکے گا ٭

مولانا عبدالحفیظ بہت لایق اور ایک شہرۂ آفاق خاندان کے رکن ہیں۔ مولنا عبدالجبار صاحب سابق وزیر بھوپال کا نام بنگال کے بچہ بچہ کو معلوم ہے۔ مولانا عبدالحفیظ اسی گھرانہ کے چشم وچراغ ہیں۔ ان کی انگریزی قابلیت اعلیٰ درجہ کی مانی جاتی ہے جس سے یقین ہے کہ ان کا ترجمہ بہت کامیاب ثابت ہوگا۔ اور جو لوگ اُردو زبان نہیں جانتے ان کو اِس ترجمہ سے مدد ملے گی۔ نیز مدراسی اور بنگالی اور مرہٹہ ہندوؤں کو ایک مسلمان کے خیالات سے آگاہی ہوگی جو ان کی ایک مذہبی پیشوا کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں ٭

اوم میں حضرت علی

اب کرشن بیتی عرف کرشن جیون کا یہ تیسرا اڈیشن شایع کیا جاتا ہے اور مسلمانوں میں سری کرشن کے اوتار کی نسبت جو تذکرہ ہوا تھا کہ وہ اوم میں حضرت علیؑ کے نام کا تصور کرتی ہیں اس اوم کی تصویر یہاں درج کیجاتی ہے۔ اس عقیدہ کے عجیب ہونے میں کچھ شک نہیں ہے سنسکرت رسم خط میں اوم کی یہ تحریر درحقیقت کوفی رسم خط میں لفظ علی کے بالکل مشابہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ لاکھوں آغا خانی مسلمان اس اوم کو بصورت لاکٹ اپنے سینوں پر آویزاں کرتے ہیں اور اپنی کتابوں پر بھی اسکو لکھتے ہیں ٭

حسن نظامی
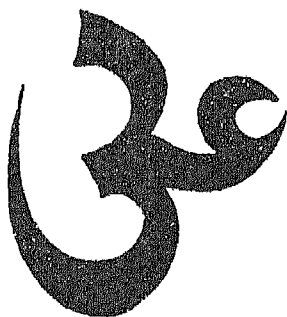
فہرست حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی کی کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
میلاد نامہ	عہ	سفرنامہ ہندوستان	۱۲ار	قرآن آسان قاعدہ	۸ر	اسرار	۶ر
محرم نامہ	علہ	غدر دہلی حصہ اول	عہ	تعلیم القرآن	۸ر	ہر کتاب کا محصول	
یزید نامہ	۲ہر	حصہ دوم	۸ر	نئے دور کا اسلام	۱ر	ڈاک وغیرہ بہر حالت	
طمانچہ بر رخسار یزید	عہ	حصہ سوم	۶ر	غزنوی جہاد	۸ر	میں خریدار کے ذمہ	
فاطمی دعوت اسلام	۱ے	حصہ چہارم	عہ	تین شہید	۲ر	ہوتا ہے۔ تاجران	
سفرنامہ مصر و شام و حجاز	۲ر	حصہ پنجم	۲ہر	چار درویشوں کا تذکرہ	۳ر	کتب اگر زیادہ تعداد	
سی پارۂ دل	۲ر	حصہ ششم	۳ر	داعی اسلام	۳ر	میں کتابیں منگائیں	
بیوی کی تربیت	۲ہر	حصہ ہفتم	۱۲ار	مرگ نامہ	۴ر	تو اُن کو معقول کمیشن	
بیوی کی تعلیم	۲ہر	حصہ ہشتم	عہ	گاندھی نامہ	۸ر	دیا جاتا ہے۔ جو خط و	
اولاد کی شادی	عہ	امام الزمان کی آمد	۱۰ار	دس سبق	۳ر	کتابت کے ذریعہ	
آپ بیتی	۲ہر	بچوں کی کہانیاں	۱۰ار	حلال خور	۸ر	سے معلوم ہو سکتا ہے	
جگ بیتی	۱۰ار	تسکین احساس	۸ر	سکھ قوم	۶ر	قیمت سے آٹھ آنے	
سیر دہلی کی معلومات	۱۲ار	قبروں کے غیبی فرشتے	۴ر	اتالیق خطوط نویسی	۱۲ار	زیادہ ادا کرنے پر	
چٹکیاں اور گدگدیاں	۱۲ار	گیارھویں نامہ	۱۲ار	مجموعہ خطوط خواجہ		ایک کتاب یا کئی کتابیں	
مرشد کو سجدۂ تعظیم	عہ	کم تو موت	عہ	حسن نظامی	۱۲ار	ایک جلد میں مجلد	
تسخیر مہر و قہر	۱۰ار	جرمنی خلافت	۶ر	خطوط اکبر	۱عہ	ہو سکتی ہیں۔ ذیل کے	
خدائی انکم ٹیکس	۱۰ار	لڑائی کا گھر	۶ر	اسلام کا انجام	۶ر	پتہ سے طلب فرمائیے	

کارکن حلقہ مشائخ بک ڈپو دہلی